Phone : 7500

قرآنی نظامِ رُبوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

مئی - جون 1960ء

آئین پاکستان نمبر

کنونشن نمبر

سفینہ برگِ گل بنالے گا قافلہ مورِ ناتواں کا،

ابتدائی کھلا اجلاس

۸ اپریل

ہزار موجوں کی ہو کشاکش، مگر یہ طوفاں سے پار ہوگا

آخری کھلا اجلاس

۱۰ اپریل

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

بدلِ اشتراک	قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون:- ۵۰۰۷
ہندو پاکستان سے سالانہ آٹھ روپے	ہندو پاکستان سے	— خط و کتابت کا پتہ —
غیر ممالک سے ۱۲/۰ شلنگ	ایک روپیہ آٹھ آنے	ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵- بی گلبرگ۔ لاہور

جلد ۱۳	مئی۔ جون سنہ ۱۹۶۰ء	نمبر ۵-۶

— فہرست مضامین —

لمعات		۲
آئین کمیشن کا سوالنامہ کہاں سے ملے گا؟		۱۳
روئیداد طلوع اسلام کنونشن	(محترم مقصود سلیمی صاحب)	۱۷
معمارِ حرم	(محترم پرویز صاحب)	۴۱
اسلامی آئین کے بنیادی اصول		۵۷
استقبالیہ	(چوہدری عبدالرحمٰن صاحب صدر کنونشن کمیٹی)	۱۰۱
لغات القرآن اور پیشگی خریداران		۱۰۴
رپورٹ	(مولانا عبدالرب صاحب ناظم ادارہ طلوع اسلام)	۱۰۵
عدل و استبداد	(ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب)	۱۱۰
زندگی کا مقصد کیا ہے؟	(لطیف الرحمٰن صاحب صدیقی)	۱۲۴
آئین کمیشن کا سوالنامہ اور اس کے جوابات		۱۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

طلوعِ اسلام کی چوتھی سالانہ کنونشن، اخلاص و محبت اور علم و بصیرت کی پُرسکون اور خرد افروز فضا میں ۸ - ۹ اپریل کو حسنِ انتظام کے ساتھ منعقد ہوئی۔ (اس کی روئداد آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے آئے گی)۔ مقامِ تشکر و مسرت ہے کہ شمعِ قرآنی کے پروانوں کا یہ اجتماع، ہر سال، سابقہ اجتماع سے زیادہ کامیاب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ حقیقت یہ ہے کہ طلوعِ اسلام کی یہ قرآنی تحریک، اس دور میں ایک ایسا تجربہ ہے جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ بغیر مذہبی فرقہ یا سیاسی پارٹی بنائے قرآنی فکر کو عام کیا جائے تاکہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو نظامِ خداوندی کے تابع بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ چونکہ ہماری سیاسی پارٹیاں اور مذہبی فرقے گروہ سازی کے بغیر کام کرنے کا تصور نہیں کر سکتے اس لئے انہیں یہ تحریک عجیب سی نظر آتی ہے اور وہ اسے بھی حسبِ عادت، فرقے اور پارٹی کی عینک سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ وہ اگر گروہ سازیوں کے دائروں سے ذرا اونچے ہو کر دیکھنے کی ہمت کریں تو انہیں نظر آ جائے کہ اسلام ایک ایسی تحریک کا نام تھا جس میں فرقوں اور پارٹیوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اور نہیں تو کم از کم، اتنا تو یہ حضرات بھی تسلیم کریں گے کہ نبی اکرمؐ کے زمانے میں، امت میں نہ کوئی مذہبی فرقہ تھا نہ سیاسی پارٹی۔ پوری کی پوری امت، ایک جماعت تھی۔ طلوعِ اسلام، مسلمانوں کو اسی عہدِ سعادت مہدؐ کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتا ہے اور سب سے پہلے اس کی مثال آپ قائم کرتا ہے کہ فرقہ اور پارٹی بنائے بغیر کس طرح کام کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں اس کی طرح سرسیدؒ نے ڈالی اور بغیر مذہبی فرقہ یا سیاسی پارٹی بنائے، اتنا عظیم کام کر دکھایا جس کی نظیر اس دور میں کہیں نہیں ملتی۔ اس کے بعد علامہ اقبالؒ نے یہی انداز اختیار کیا اور بغیر مذہبی فرقہ یا سیاسی پارٹی بنائے، ملت میں فکری انقلاب پیدا کر دیا۔ یہی انداز علامہ اسلم جیراجپوری کا تھا۔ قرآن کی بتائی ہوئی اسی روش پر اب طلوعِ اسلام گامزن ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، گروہ سازی کے خوگر مسلمان کے لئے یہ روش کچھ ایسی نامانوس اور انوکھی ہے کہ اس کے

دل میں اس کے متعلق رہ رہ کر سوالات ابھرتے ہیں۔ اسی کا اثر تھا کہ سابقہ کنونشن میں (مجلس استفسارات میں) پرویز صاحب سے ایک سوال یہ بھی پوچھا گیا کہ طلوع اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ مذہبی فرقہ یا سیاسی پارٹی نہیں۔ اس کی وضاحت کی جائے۔ انہوں نے بتایا کہ مذہبی فرقے کی پہچان یہ ہے کہ (مثلاً) اس کا نماز پڑھنے کا طریق دوسرے فرقوں سے مختلف ہوتا ہے (خواہ یہ فرق ذرا سا بھی کیوں نہ ہو) اور فقہی مسائل میں بھی وہ ایک خاص مسلک کا پابند ہوتا ہے اور دوسرے فرقوں سے اس کا اختلاف ہوتا ہے۔ طلوع اسلام میں یہ دونوں باتیں نہیں۔ جو حضرات اس کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر سے متفق ہیں انہیں اس کا پورا پورا اختیار ہے کہ وہ جس طریق سے چاہے نماز ادا کریں اور جونسے فقہی مسلک کی چاہے پابندی کریں۔ اس باب میں طلوع اسلام اس قدر محتاط ہے کہ وہ اپنے اجتماعات میں الگ نماز کا اہتمام نہیں کرتا اور احباب سے تاکید کرتا ہے کہ وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں۔ جہاں تک سیاسیات کا تعلق ہے، طلوع اسلام نے کبھی ملک کی عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی اس کا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے رہا ہے۔ اس نے جس پارٹی کے منشور یا مسلک میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو قرآن کے مطابق ہو، اس بات کی تائید کی ہے اور جہاں اس کے خلاف کچھ نظر آیا ہے، اس کی مخالفت کی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ اس حقیقت کا اعلان بھی مسلسل و متواتر کرتا چلا آرہا ہے کہ قرآن کریم کی رو سے مذہبی فرقہ سازی اور پارٹی بازی شرک ہے۔ اس دور میں اس انداز سے کام کرنا بہت مشکل تھا لیکن بتوفیق ایزدی یہ اس میں کامیاب رہا ہے اور اس کی یہ کامیابی دن بدن زیادہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو تحریک مذہبی فرقوں اور سیاسی پارٹیوں کے وجود کو خلافِ قرآن بتائے گی ان فرقوں اور پارٹیوں کی طرف سے اس کی مخالفت ہوگی۔ طلوع اسلام کے خلاف جو آپ مخالفت کا طوفان دیکھتے چلے آرہے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ جہاں تک سیاسی پارٹیوں کا تعلق ہے، ان کا وجود بھی عارضی ہوتا ہے اور مخالفت (اور موافقت) بھی عارضی۔ لیکن مذہبی فرقے اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں اس لئے ان کی طرف سے مخالفت بھی مستقل اور مسلسل ہوتی ہے۔ اس مخالفت کی وجہ ظاہر ہے۔ اگر ملک میں مذہبی فرقے باقی نہ رہیں تو لاکھوں کی تعداد میں "پیشوایانِ مذہب"۔ ہزاروں مذہبی مکاتب۔ سینکڑوں دار العلوم اور مذہبی ادارے (جن کی ہستی ہی الگ الگ فرقوں کے وجود کی رہینِ منت ہے) ختم ہو جائیں۔ یہ ہے ان حضرات کی طرف سے طلوع اسلام کی مخالفت کا اصلی سبب۔ لیکن چونکہ وہ اس بات کو برملا کہنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔ اس لئے وہ عوام کو مشتعل کرنے کے لئے اس قسم کے اتہامات لگاتے رہتے ہیں کہ طلوع اسلام (معاذ اللہ) منکرِ شانِ رسالت ہے۔ منکرِ حدیث ہے۔ ایک نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تین نمازیں اور نو دن کے روزے بتاتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ حالانکہ طلوع اسلام ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کہتا۔ طلوع اسلام منکرِ شانِ رسالت نہیں۔ وہ نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کو تمام نوعِ انسان کے لئے سیرت و کردار کا بلند ترین معیار قرار دیتا ہے طلوع اسلام منکرِ حدیث بھی نہیں۔ وہ ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف نہیں جاتی۔ احادیث کی قانونی حیثیت کے متعلق اس کا مسلک وہی ہے جس کی تصریح علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات میں، امام ابو حنیفہؒ اور شاہ ولی اللہؒ

کی سند کے ساتھ کی ہے[1] طلوعِ اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ نمازیں تین وقت کی اور روزے نو دن کے ہیں۔ نماز وں کے متعلق وہ بار بار اعلان کرتا ہے کہ کسی فرد کو اس کا حق حاصل نہیں کہ امت میں جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے اس میں تغیر و تبدل کرے حتیٰ کہ جب (۱۹۵۱ء میں) لاہور سے کسی نے یہ آواز اٹھائی تھی کہ نماز اردو زبان میں ہونی چاہیئے تو جس کی طرف سے سب سے پہلے اس آواز کی مخالفت ہوئی تھی وہ طلوعِ اسلام ہی تھا

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، طلوعِ اسلام کے نزدیک، قرآن کریم کا بنیادی اصول وحدتِ امت ہے اور اسی کی طرف یہ دعوت دیتا چلا آرہا ہے۔ جن حالات میں ہم اس وقت گھرے ہوئے ہیں، ان کے پیشِ نظر امت کے موجودہ اختلافات دانشمندانہ کوشش کر وحدت پیدا کرنے کی شکل اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ مملکت کا آئین قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کے مطابق مرتب کیا جائے۔ اور انہی اصولوں کو صحیح اور غلط کا معیار قرار دیا جائے۔ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے میں کسی مسلمان کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس کے متعلق کبھی یہ صورت پیدا ہو سکتی ہے کہ اس کی کوئی آیت سامنے آئے تو کوئی اُسے صحیح کہے اور کوئی ضعیف یا وضعی۔ امت میں یہ پوزیشن، قرآن کے علاوہ اور کسی چیز کو حاصل نہیں۔ احادیث کے مجموعے ہوں یا فقہ کی کتابیں۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ مقام حاصل نہیں کہ (ساری امت تو ایک طرف) پاکستان کے تمام مسلمان بھی اسے شروع سے آخر تک اسی طرح صحیح تسلیم کریں جس طرح قرآن کریم کی آیات کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔ ملت میں قدرِ مشترک قرآن کریم ہے اور وہی ان کے لئے وجہ جامعیت ہو سکتا ہے۔ ملت میں وحدت پیدا کرنے کے لئے، سب سے پہلا قدم یہی ہے کہ مملکت کے آئین کی بنیاد قرآن کریم کے اصولوں پر رکھی جائے۔ اس مقام پر عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس صورت میں (مثلاً) نماز کی کون سی صورت اختیار کی جائے گی؟ یعنی "عبادات" کے طور طریقے کے اختلاف کو کس طرح مٹایا جائے گا؟ قرآن کریم کی رُو سے، اسلامی نظام زندگی میں "عبادات" اور "معاملات" میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن جس مقام سے ہم آج آغازِ سفر کر رہے ہیں، اس کے پیشِ نظر یہ کیا جا سکتا ہے کہ شروع میں (عبوری دور کے لئے) "عبادات" کو الگ رہنے دیا جائے تا آنکہ آنے والی نسلیں صحیح تعلیم و تربیت سے ان کی وحدت کی ضرورت اور اہمیت کو بھی محسوس کرنے لگ جائیں اور اس طرح اختلاف مٹانے کی صورت پیدا کر لیں۔ "عبادات" کے علاوہ معاملات میں بھی کئی ایسے گوشے سامنے آئیں گے جن میں ہم پہلے دن ہی قرآنی منتہیٰ تک نہیں پہنچ جائیں گے۔ اس منتہیٰ تک بتدریج پہنچا جائے گا۔ ہمارے آئین میں اس کی صراحت ہونی چاہیئے کہ قرآن کریم کی رُو سے یہ ہماری منزلِ مقصود (GOAL) ہے اور اس منزل تک یوں بتدریج پہنچا جائے گا۔

یہ تھا آئین سازی کے سلسلہ میں وہ بنیادی اصول جسے طلوعِ اسلام نے تشکیلِ پاکستان کے بعد (۱۹۴۸ء میں)

---

[1] ان امور کی تفصیل ادارہ کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ "اسلام میں قانون سازی کا اصول" میں ملے گی۔

پیش کیا اور جسے وہ (اس کے بعد) مسلسل دہراتا رہا۔ چونکہ قرآنی آئین میں، مفاد پرست لوگوں کے لئے من مانی کرنے کی گنجائش نہیں رہتی اس لئے ان سب کی طرف سے اس آواز کی مخالفت ہوئی اور چونکہ آئین سازی کے معاملہ میں اختیار و اقتدار انہی لوگوں کو حاصل تھا اس لئے ۱۹۵۶ء کے آئین میں قرآنی نظام کی طرف کوئی قدم نہ اٹھایا گیا البتہ اس میں قرآن و سنت اسلام کے الفاظ اس طرح لکھ دیئے گئے جیسے خطوں کے اوپر ۷۸۶ لکھ دیا جاتا ہے۔

اب پھر آئین سازی کا مسئلہ (از سرِ نو) زیرِ غور ہے۔ اور طلوعِ اسلام نے اُسی بنیادی آواز کو پھر بلند کیا ہے یعنی یہ آواز کہ۔

آئینِ پاکستان کی بنیاد قرآن کریم کے غیر متبدل

اصولوں پر ہونی چاہیئے۔

ان اصولوں کی تشریح، پرویز صاحب نے اپنے اُس حقیقت کشا اور بصیرت افروز مقالہ میں پیش کی ہے جس سے انہوں نے کنونشن کو خطاب کیا تھا۔ یہ مقالہ آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے آئے گا۔ اس کا عنوان ہے۔

"اسلامی آئین کے بنیادی اصول"

آپ اس مقالہ کا بڑے غور سے مطالعہ کیجئے اور پھر سوچئے کہ اگر پاکستان کا آئین اُن خطوط پر مرتب ہو گیا تو اس سرزمین کی قسمت کس طرح جاگ اُٹھے گی اور اقوامِ عالم میں ہمارا مقام کتنا بلند ہو گا؟ جیسا کہ اُس مقالہ میں بتایا گیا ہے قوموں کی زندگی میں آئین کی اہمیت رگِ جان کی سی ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس پر نہ صرف موجودہ نسل کی موت و حیات کا مدار ہوتا ہے بلکہ آنے والی نسلوں کی فلاح و بہبود کا انحصار بھی۔ اس لئے آپ سوچئے کہ ہماری ملی زندگی میں یہ وقت کس قدر نازک ہے۔ اور اس باب میں ہماری ذمہ داری کس قدر عظیم!

مقامِ مسرت ہے کہ طلوعِ اسلام کنونشن نے ذمہ داری کی اس اہمیت کا اندازہ کیا اور یہ طے کیا کہ وہ اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ اور اپنی توانائی کی ایک ایک رمق، اس مقصدِ جلیل کے لئے وقف کر دے گی کہ ملک کا آئین قرآنی اصولوں کے مطابق مرتب ہو۔ طلوعِ اسلام کے مسلک کی رُو سے، اس مقصد کے حصول کا طریق یہی ہے کہ آئین سے متعلق قرآنی اصولوں کو ملک میں اس قدر عام کیا جائے کہ یہ آواز ہر گوشے سے آئینی کمیشن کے کانوں تک پہنچ جائے۔ طلوعِ اسلام ہنگامہ خیزیوں کا قائل نہیں۔ وہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت، نہایت پرامن، باوقار، خاموش، جمہوری اور آئینی انداز سے کرتا ہے۔ وہ اس باب میں نہ کسی سے جھگڑا کرتا ہے نہ تنازعہ۔ نہ بحث کرتا ہے نہ مباحثہ۔ وہ اپنی آواز کو فضا میں عام کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ چیز سننے والوں پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ جو لوگ از خود بلا جبر و اکراہ، بطیبِ خاطر یعنی دل و دماغ کی پوری رضامندی سے، اس پر متفق ہوتے ہیں وہ اسی طرح اس آواز کو آگے پہنچاتے ہیں۔ اس کا یہی انداز آئین سازی کے سلسلہ میں قرآنی فکر کی عام اشاعت کے متعلق ہے۔ اس مقصد کے لئے کنونشن نے ایک سنٹرل پبلسٹی کمیٹی قائم کی ہے جو

محترم میاں عبدالخالق، میاں محمد شفیع اور چوہدری عبدالرحمٰن صاحبان پر مشتمل ہے۔ اس کمیٹی نے

۲۷۔ بی شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

میں اپنا دفتر قائم کر لیا ہے، اور نشر و اشاعت کا کام سنبھال لیا ہے۔ مقامی بزمیں اپنے اپنے شہر اور علاقہ میں سنٹرل کمیٹی کی زیر ہدایت، قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں مصروف عمل ہیں۔ ان کی طرف سے قرآنی لٹریچر بلا قیمت تقسیم ہو رہا ہے اور جو حضرات بطیب خاطر اس سے متفق ہوتے ہیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اس مطالبہ کو آئین کمیشن تک پہنچائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس لٹریچر یا مطالبہ میں کوئی فرقہ وارانہ جھلک ہے۔ نہ سیاسی پارٹی کی کوئی رمق۔ مطالبہ صرف یہ ہے کہ مملکت کا آئین قرآنی اصولوں کے مطابق مرتب ہو۔

لیکن اس سلسلہ میں اصل کام اس کے بعد شروع ہو گا۔ آئین کمیشن کی طرف سے ایک سوالنامہ شائع کیا گیا ہے جس میں افرادِ ملت سے کہا گیا ہے کہ وہ آئین سازی کے سلسلہ میں اپنی آراء اور تجاویز پیش کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ملک کا آئین، قومیت پاکستانیہ کی منشاء کے مطابق مرتب ہو گا۔ یہ ہماری کتنی بڑی خوش بختی ہے کہ ہمیں حق دیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے لئے جس قسم کا آئین چاہیں مرتب کرا لیں۔ اگر ہم اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھائیں تو ہم سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو گا؟ ادارہ طلوع اسلام نے (حالات حاضرہ اور قرآن کریم کی روشنی میں) اس سوالنامہ کا جواب مرتب کیا ہے۔ سوالنامہ طویل ہے (چالیس سوالات پر مشتمل) اس لئے اس کا جواب بھی طویل ہے۔ یہ سوالنامہ اور اس کے جوابات آئندہ صفحات میں آپ کے سامنے آئیں گے۔ اس پمفلٹ کی . . . .

کاپیاں (اردو اور انگریزی میں) پبلسٹی کمیٹی کی وساطت سے سارے ملک میں تقسیم کی جائیں گی۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس کی کاپیاں اپنے ہاں کی مقامی بزم سے یا

سنٹرل پبلسٹی کمیٹی (طلوع اسلام)

۲۷۔ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

سے بلا قیمت حاصل کریں اور جو حضرات بطیب خاطر ان جوابات سے متفق ہوں، ان کے دستخطوں (اور پتہ) کے بعد انہیں مقامی بزم یا سنٹرل پبلسٹی کمیٹی کے پاس بھیج دیں تاکہ انہیں آئین کمیشن تک بحفاظت پہنچا دیا جائے۔ یاد رہے کہ یہ پروگرام لوگوں سے اندھا دھند دستخط لینے کی مہم نہیں۔ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ، چونکہ ہر شخص کو اتنی فرصت نہیں ہو گی کہ وہ ایسے لمبے چوڑے سوالات کا جواب خود مرتب کرے، اس لئے ان کی سہولت کی خاطر یہ جوابات مرتب کر دیئے گئے ہیں۔ اگر وہ ان سے مطمئن ہوں تو ان پر دستخط کر دیں۔ چونکہ ان جوابات کے کمیشن تک پہنچنے کی آخری تاریخ ۳۱ مئی ہے اس لئے اس معاملہ میں تاخیر بالکل نہ کی جائے۔

جہاں تک اس اشاعتی مہم کے اخراجات کا تعلق ہے۔ اس کے لئے پبلک سے کوئی امداد نہیں لی گئی۔ (طلوع اسلام

پبلک سے امداد لیتا ہی نہیں کرتا) اس پورے بوجھ کو، قرآنی فکر سے متفق احباب نے مل جل کر آپس میں بانٹ لیا ہے۔ ادارہ اس کے لئے ان مخلص احباب کا بدل شکر گذار ہے نیز ان کا بھی جو اس مقصد کے لئے اپنا وقت دے رہے ہیں۔

ہم ملک کے ارباب درد اور اہل ہوش طبقہ سے ایک مرتبہ پھر اپیل کرتے ہیں کہ وہ وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے آئین سازی کے سوال پر سنجیدگی سے غور کریں اور اس کا احساس کریں کہ اس باب میں ان پر کس قدر عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ سوچئے کہ ہم میں سے کس کی خواہش نہیں کہ ہم اسلامی انداز کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ پاکستان میں صحیح قرآنی آئین نافذ ہو جائے۔ اس آئین کی رُو سے ہماری دنیاوی زندگی بھی سرفرازیوں اور سربلندیوں کی زندگی ہوگی اور ہماری عاقبت بھی سنور جائے گی۔ لیکن اگر (خدا نکردہ) یہاں قرآنی آئین نافذ نہ ہوا تو ہم اسلامی زندگی بسر کرنے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اور آئین کے مطابق، ہماری معاشی حالت موجودہ سطح کے مقابلہ میں نسبتاً بہتر ہو جائے اور ہمیں روزے۔ نماز کی ادائیگی کے لئے بھی سہولتیں ہوں۔ لیکن اس طرح ہم اسلامی زندگی بسر نہیں کر سکیں گے۔ اسلامی زندگی صرف روٹی مل جانے اور نماز روزہ ادا کر لینے کا نام نہیں۔ روٹی تو امریکہ (اور شاید روس والوں کو بھی ملتی ہے اور نماز روزے کی اجازت، بھارت کے ہندوانہ نظام میں بھی ہے۔ اسلامی زندگی ہر شعبہ میں قوانین خداوندی کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے اور وہ قرآنی نظام کے علاوہ اور کسی طرح ممکن نہیں۔

اس مقام پر ہم ایک گذارش اپنے مذہب پرست طبقہ سے بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ آپ بھی کچھ وقت کے لئے، جھوٹی عزت نفس کے احساس اور طلوع اسلام کے خلاف جذبات منافرت اور عناد کو الگ کر کے خالصۃً للہ سوچئے کہ ہم اس وقت کس نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ قرون اول کے بعد ہماری تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ایک اسلامی مملکت اس مقصد کے لئے حاصل کی گئی ہے کہ اس میں صحیح اسلامی نظام متشکل ہو سکے۔ اس سلسلہ میں صحیح اسلامی آئین مرتب کرنے کی پہلی کوشش ناکام رہی۔ آپ تو شاید اس حقیقت کو تسلیم نہ کریں لیکن آنے والا مؤرخ اس کی شہادت دے گا کہ اس ناکامی کی بڑی وجہ آپ حضرات کے باہمی اختلافات تھے۔ اگر آپ اُس وقت، اپنے اپنے فرقہ وارانہ رجحانات سے بلند ہو کر یہ متفقہ مطالبہ پیش کرتے کہ ہمارا آئین قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کے مطابق مرتب ہونا چاہیئے۔ تو آپ دیکھتے کہ اس باب میں آپ کو کس قدر کامیابی ہوتی۔ قدرت نے ہماری اُن خطاؤں کو معاف کر کے، ایک موقعہ پھر دیا ہے کہ ہم یہاں اسلامی نظام کے قیام کی شکل پیدا کریں۔ اگر اس وقت پھر آپ نے فرقہ وارانہ اختلافات کو برقرار رکھنے پر اصرار کیا تو ڈر ہے کہ (جس طرح ترکی میں ہوا تھا کہ انہوں نے علماء کے اختلافات سے تنگ آ کر اپنے ہاں سیکولر نظام قائم کر لیا) یہاں بھی وہی صورت پیدا نہ ہو جائے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ عسکری انقلاب کے بعد، ایک ذمہ دار رکن حکومت نے یہی کہا تھا کہ جس ملک میں اتنے مذہبی فرقے ہوں، اور سب اپنے اپنے اختلافات قائم رکھنے کو دین کا تقاضا بتلاتے ہوں، وہاں ایک متفقہ علیہ اسلامی آئین کس طرح مرتب کیا جا سکتا ہے؟ ڈر ہے کہ آپ حضرات کی ضد ان لوگوں کے خدشات کو صحیح کر دکھانے کا موجب نہ بن جائے

ہمیں اس کا علم ہے کہ آپ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اختلاف انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ اس لئے مذہبی اختلاف مٹ ہی نہیں سکتے۔ ہم ان لوگوں سے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ لیکن آپ میں سے جو حضرات اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے اختلافات کو خدا کا عذاب قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ قرآن آیا ہی اس لئے تھا کہ وہ نوعِ انسانی کے اختلافات مٹائے۔ ان سے ہم دل کی پوری دردمندیوں کے ساتھ گذارش کریں گے کہ وہ وقت کی نزاکت کا احساس کریں اور فرقہ وارانہ اختلافات سے بلند ہو کر اس مطالبہ میں ملّت کا ساتھ دیں کہ قرآن ہمارے لئے وجہ جامعیت ہے۔ اس سے ہمارے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ یہی حق و باطل کے پرکھنے کا معیار ہے۔ اس لئے پاکستان کا آئین قرآن کریم کے اصولوں پر متفرع ہونا چاہیئے جن میں تغیر و تبدل کرنے کا حق نہ کسی جمہوریت کو حاصل ہے نہ آمریت کو۔ آپ یہ مطالبہ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح خدا کی رحمتیں ملت پر سایہ فگن ہوتی ہیں۔ یاد رہے کہ اس مطالبہ میں نہ ان احادیث کا انکار ہے جو قرآن کے مطابق ہیں نہ اس قسم کی فقہی جزئیات کا۔ ان احادیث اور فقہی مسائل کا تعلق، قانون سازی سے ہے نہ کہ آئین سازی سے۔ آئین سازی کا تعلق اصولوں سے ہوتا ہے۔ جب آئین کی بنیاد قرآنی اصولوں پر ہو گی تو جو قانون اس آئین کے تابع وضع ہو گا وہ قرآن کے مطابق ہو گا۔ اور جب وہ قرآن کے مطابق ہو گا تو خود بخود ان احادیث اور فقہی جزئیات کے بھی مطابق ہو گا جو قرآن کے خلاف نہیں ہیں اور جو ہمارے زمانے کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔

ایک درخواست آئین کمیشن کے (مسلم) اراکین سے بھی ہے۔ آپ بحمدہٖ مسلمان ہیں۔ اگر آپ کی اپنی زندگی اسلام کے منشا کے مطابق بسر ہوسکے تو یہ چیز کس قدر باعث سعادت ہو گی۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ آپ نہ صرف موجودہ سات آٹھ کروڑ مسلمانوں کو اس قابل بنادیں کہ وہ اپنی زندگی اسلامی قالب میں ڈھال سکیں بلکہ ان کی آنے والی نسلیں بھی اسلامی روح کی پیکر بن کر ابھریں اور ان کی اس قابلِ رشک زندگی کو دیکھ کر غیر مسلم اقوام عالم اسلام کے قریب آجائیں تو یہ سعادت کس قدر عظیم اور اس کا اجر کیسا جلیل ہو گا! مبداءِ فیض کی کرم گستری نے آپ کو اس کا موقعہ عطا کیا ہے کہ آپ ایسی عظیم سعادت سے اپنے دامنِ مراد کو مالامال کرلیں۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد یکے بعد دیگرے دو مجالسِ آئین ساز کو فطرت کی طرف سے یہ موقعہ ملا لیکن یہ سعادت ان کے حصے میں نہ آسکی۔ یہ طالع مندی اور فیروز بختی (شاید) آپ کے لئے مختص تھی۔ دیکھنا! کہیں ایسی فقید المثال بختاوری سے اپنے آپ کو محروم نہ کرلینا۔ آپ کی کوئی سفارش قرآنی اصولوں کے خلاف نہیں ہونی چاہیئے!

اور سب سے آخر میں ہم جناب محترم المقام صدرِ مملکتِ پاکستان، فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی خدمت میں بصد ادب و احترام گذارش کریں گے کہ فطرت نے آپ کو ایک ایسے بلند مقصد کے لئے منتخب کیا ہے جس کی نظیر ہماری ہزار سالہ تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ قرآنی نظامِ حکومت محمد رسول اللہ والذین معہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ کے مقدس ہاتھوں سے

متشکل ہوا۔ اُس زمانے میں مملکت کے لئے کسی الگ آئین کے مرتب کرنے کی ضرورت نہ تھی، اس لئے انھوں نے قرآن کریم کو بطور اصولِ ہدایات اپنے سامنے رکھا اور اس سے ایسا معاشرہ قائم کیا جس کی نظیر چشمِ فلک نے نہیں دیکھی۔ اس کے بعد ہمارے ہاں ملوکیت آگئی جسے آئین و دستور سے واسطہ ہی نہیں ہوتا۔ بیس برس اُدھر ہندوستان کے مسلمانوں کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اگر ہمیں ایک آزاد خطۂ زمین مل جائے تو اس میں ہم صحیح اسلامی نظام قائم کریں۔ فطرت کی کرم بخشیوں نے ان کی اس آرزو کو شرفِ قبولیت عطا کیا۔ اور وہ خطۂ زمین ۱۹۴۷ء میں حاصل ہو گیا۔ لیکن قوم کے سربراہوں نے قوم پاکستان کی اس مقدس آرزو کو کچل کر رکھ دیا۔ خالقِ فطرت نے اس قوم کی حالت پر رحم کھایا اور آپ کو ان کا نجات دہندہ بنا کر بھیج دیا۔ آپ نے غلط کاروں کے ہاتھ سے اقتدار چھین لیا اور اس طرح دنیا نے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیا کہ

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اب زمامِ اقتدار آپ کے ہاتھ میں دیدی گئی ہے کہ جو کام گیارہ بارہ برس تک متعدد (بدلنے والی) حکومتوں سے نہ ہو سکا آپ کے ہاتھوں سر انجام پائے۔ قرآن کے الفاظ میں

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۰/۱۴)

پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں ملک کی حکومت عطا کی تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو؟

یہ عظیم مقصد جس کے لئے اقتدار آپ کے ہاتھوں میں منتقل ہوا ہے مملکت میں صحیح قرآنی آئین کی تنفیذ ہے۔ اگر یہ مقصد آپ کے ہاتھوں پورا ہو گیا تو یقین مانئے، آپ کا نام جریدۂ عالم پر سورج کی کرنوں سے لکھا جائے گا۔ تاریخ انسانیت آپ کو زمرۂ اقوام میں بلند ترین مقام عطا کرے گی اور خدا اور اس کی کائناتی قوتیں آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجیں گی۔ (۳۳/۴۳) سابقہ اربابِ حل و عقد نے فطرت کی اس عظیم و جلیل پیشکش کی قدر نہ کی۔ نتیجہ اس کا یہ کہ ان میں سے جو دنیا سے جا چکے ہیں ان کا کوئی نام تک بھی نہیں لیتا (حالانکہ یہ ابھی کل کی بات ہے) اور جو باقی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

خدا کرے کہ آپ ان میں منفرد ثابت ہوں اور جو مسند بلند ابھی تک خالی پڑی ہے اس پر فائز المرام ہونے کا شرف حاصل کر سکیں اور جب آپ بحضورِ داورِ داور جائیں تو خود اسلام آگے بڑھ کر آپ پر یہ کہتے ہوئے تبریک و تہنیت کے پھول برسائے کہ

یہ ہے وہ مردِ بلند ہمت جس کی قوتِ بازو سے زمانہ میں میرا سکہ رواں ہوا۔

آپ نے سندھ الہ یار میں علماء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

آج دنیا دو کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اور ان کی باہمی کشمکش آئیڈیالوجی پر مبنی ہے۔ کمیونزم تہیہ کر چکی ہے کہ وہ اپنی آئیڈیالوجی تمام دنیا پر مسلط کر دے۔ مغرب کمیونزم کا کوئی موثر جواب پیش نہیں کر سکا اسلئے

کہ اس کی آئیڈیالوجی بنیادی طور پر مادہ پرستی پر مبنی ہے ..... ان حالات میں کمیونزم کا ایک اور صرف ایک جواب ہے اور وہ جواب اسلام سے مل سکتا ہے۔ کمیونزم کے فلسفہ اور مغرب کی مادی اقدار کی کشمکش میں صرف اسلام ہی وہ فطری آئیڈیالوجی بن سکتا ہے جو روح انسانیت کو ہلاکت سے بچا سکتی ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ آپ اسلام کی اس آئیڈیالوجی کو مملکت کے آئین کی شکل میں پیش کر کے دنیا کو دکھا دیں کہ اسلام کس طرح روح انسانیت کو ہلاکت سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دنیا بڑی بے تابی سے اس تجربہ کا انتظار کر رہی ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ

تماشا کر اے محو آئینہ داری تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں۔

خدا کرے کہ اسلام کے متعلق جو توقعات آپ نے دنیا کے دل میں پیدا کر دی ہیں انہیں پورا کرنے کی سعادت آپ کو حاصل ہو جائے۔

ایک گہر کھو گیا

خواجہ عباد اللہ اختر مرحوم بھی بالآخر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ جہلم میں مرحوم کی وفات دسمبر ۵۹ء میں ہوئی۔ لیکن ان کے دیگر احباب کی طرح ادارہ طلوع اسلام بھی کم و بیش تین ماہ تک اس سانحہ سے بے خبر رہا۔ اسلاف پرستی اور تقلید کی اس فضا میں جو مدتوں سے افراد ملت پر مسلط ہے خواجہ مرحوم ان معدودے چند شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے دین کے معاملہ میں ذاتی تحقیق سے کام لیا اور خدا کی آخری کتاب کے حقائق کو سمجھنے میں فکر و اجتہاد کی ضرورت محسوس کی۔ ہمیں ان کی فکری کاوشوں کے بعض نتائج سے اختلاف ہو سکتا ہے (اور اختلاف رہا ہے) لیکن جہاں تک ان کی کوششوں کی اصولی اہمیت کا تعلق ہے ہم نے اسے ہمیشہ قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے اور آج جبکہ یہ شمع بجھ گئی ہے ہم ان کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ ان کی وفات سے دینی فکر و اجتہاد کی محفلیں اپنے حلقہ میں ایک خلا سا محسوس کر رہی ہیں اور وقت ہی بتائے گا کہ یہ خلا کب پورا ہو۔ ادارہ اس حادثۂ جانکاہ میں خواجہ مرحوم کے فرزند محترم کرامت اللہ قمر ایڈووکیٹ جہلم اور دیگر پسماندگان سے مخلصانہ تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔

مشترکہ پرچہ

کنونشن کی روئداد اور آئین کے سلسلہ میں مصروفیات اتنی پھیل گئیں کہ ہمیں طلوع اسلام کا یہ نمبر دو ماہ کا مشترکہ نکالنا پڑا۔ اب ہم قارئین کی خدمت میں یکم جولائی کو حاضر ہوں گے۔

(۲) اس پرچہ میں کنونشن کی جو تصاویر شائع ہو رہی ہیں وہ محترم یوسف ضیاء صاحب (دارسک) کی عکاسی کی رہین منت ہیں۔ ادارہ اس نوازش کے لئے ان کا شکر گذار ہے

(ناظم ادارہ)

اُس دور کی علمی حرکات اور ذہنی کیفیات کا تفصیلی جائزہ

جب آفتاب اسلام کی جلوہ باریوں سے قبل بزم انسانیت کی تاریکیاں آخری سانس لے رہی تھیں!!

علامہ احمد امین مصری (مرحوم)

کی علمی دماغ پچی کاوشوں کا شاہکار!!

اور

"اسلام کی سرگزشت" کے سلسلۂ دراز کی پہلی کڑی

"فجر الاسلام"

(جسے مولانا عمر احمد صاحب عثمانی نے اردو زبان کا لباس پہنایا)

نو سو صفحات پر مشتمل ضخیم اور علم افروز تصنیف

ماہ جون سنہ ۱۹۶۰ء کے آغاز میں منظر اشاعت پر آرہی ہے۔

دیدہ زیب کتابت، و طباعت سے آراستہ ۔ حسین و جمیل جلد اور گرد پوش سے مزین۔

قیمت: دس روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - ۲۵ - بی . گلبرگ - لاہور

قرآنی فکر و بصیرت کی روشنی میں
انسانی زندگی کے اہم ترین مسائل کا نکھرا ہوا حل!!!

سلیمؔ کے نام خطوط

(جلد اوّل اور جلد دوم)

(تیسری جلد عنقریب شائع ہو رہی ہے)

یہ حقیقت کشا خطوط قلب سلیم میں ابھرتے ہوئے سینکڑوں سوالات کا تفصیلی جواب پیش کرتے ہیں اور نوجوانانِ ملّت کے قلب و نظر کے لئے ایک صحیح و صالح انقلاب کی جاں نواز تحریک ہیں۔ مفسر قرآن محترم پرویز صاحب کا مخصوص دلکش، شگفتہ اور آسان فہم انداز نگارش۔ ہر دو جلدیں خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہیں۔ عمدہ نفیس کاغذ۔ مضبوط جلد حسین سہ رنگا گرد پوش۔ قیمت جلد اول۔ آٹھ روپے۔ جلد دوم۔ چھ روپے

شائع کردہ:۔ ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵۔بی۔ گلبرگ۔ لاہور
ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ طلوعِ اسلام ۲۷۔بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

مکتبہ کی طرف سے ضروری اعلان

بعض حضرات کتابیں منگاتے ہیں لیکن وی۔پی واپس کر دیتے ہیں یا چھڑاتے نہیں۔ اس سے مکتبہ کو خواہ مخواہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ جو حضرات دس روپے سے زائد کی کتابیں منگائیں وہ براہ کرم کم از کم پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر، پیشگی ارسال فرما دیں۔

جو حضرات اس طرح پانچ روپے پیشگی بھیج دیں گے انہیں محصول ڈاک چھوڑ دیا جائے گا۔

منیجر مکتبہ طلوع اسلام ۲۷۔بی شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

آئین کمیشن کا سوالنامہ اور اس کے جوابات

ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں۔ آپ اس کی کاپی انگریزی یا اُردو (بلا قیمت) یا تو اپنے ہاں کی مقامی بزم طلوع اسلام سے حاصل کریں (بزموں کی فہرست درج ذیل ہے)۔ اور یا براہ راست

سنٹرل پبلسٹی کمیٹی (طلوع اسلام) ۲۷۔بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

سے طلب فرمالیں۔ اگر آپ ان جوابات سے متفق ہوں تو اس کاپی پر دستخط کرکے اُسے یا تو مقامی بزم کو دیدیں۔ یا سنٹرل پبلسٹی کمیٹی کو بھیجدیں۔ لیکن اس میں تاخیر نہ کریں۔ جوابات کے کمیشن تک پہنچنے کی آخری تاریخ ۳۱ر مئی ہے۔

والسلام۔ سکریٹری سنٹرل پبلسٹی کمیٹی

۲۷۔بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

طلوع اسلام بزموں کی فہرست اور پتہ

نام بزم		پتہ
کراچی	(ترجمان)	میاں عبدالخالق صاحب۔ ۸۵۔ پی۔ ایم۔ اے بلڈنگ۔ جکل روڈ۔ کراچی
لاہور	(نمائندہ)	چوہدری عبدالرحمٰن صاحب۔ بہترین ہاؤس۔ شالامار ٹاؤن۔ لاہور
راولپنڈی	(ترجمان)	چوہدری فیرزند علی بھٹی صاحب c/o الکوثر۔ بالمقابل گورنمنٹ گرلز کالج مری روڈ، راولپنڈی
مری (ضلع راولپنڈی)	(نمائندہ)	مظفر عباسی c/o عباسی جنرل سٹور۔ اپر بازار۔ مری
واہ کینٹ	"	محمد نذیر اللہ خاں نیازی 6 E-7/14 واہ کینٹ
پشاور شہر	"	شیخ صلاح الدین c/o ۴۳۴ سکندر پورہ پشاور شہر
" صدر	"	ماسٹر بدر الدین۔ بدر ٹیلرنگ ہاؤس۔ پشاور صدر
ضلع پشاور	(ترجمان ضلع)	مرزا علی احمد خاں صاحب ۴۳۴ سکندر پورہ پشاور شہر
ضلع گوجرانوالہ	(" ")	خواجہ محمد حسین صاحب۔ حاجی پورہ۔ گوجرانوالہ
رسول نگر (ضلع گوجرانوالہ)	(نمائندہ)	خان بہادر قاضی حفیظ الدین رئیس اعظم رسول نگر براستہ علی پور۔ ضلع گوجرانوالہ
جہلم	"	مقبول احمد میر صاحب c/o میر سکہ فیکٹری شین محلہ ۳۲۔ جہلم

سید حسین (ضلع جہلم)	نمائندہ	سید محمد حسین شاہ صاحب۔ سید حسین۔ براستہ دینا۔ ضلع جہلم
پنڈدادن خاں (")	"	خواجہ خدابخش۔ تمباکو ڈیلر بازار کلاں۔ پنڈدادنخاں ضلع جہلم
ڈنڈوت (")	"	مخدوم نور محمد۔ ڈنڈوت ضلع جہلم
لائلپور	"	خان محمد اکرم۔ پنجاب ڈیریز۔ ریلوے روڈ۔ لائلپور
سمندری (ضلع لائلپور)	"	چوہدری نذیر احمد صاحب سکریٹری میونسپل کمیٹی۔ سمندری۔ ضلع لائلپور
شیخوپورہ	"	غلام جیلانی صاحب۔ مشتاق منزل۔ جناح پارک۔ شیخوپورہ
ننکانہ (ضلع شیخوپورہ)	"	برکت علی خاں غور۔ ناظم ادارہ شاہین درسگاہ۔ ننکانہ۔ ضلع شیخوپورہ
سیالکوٹ شہر	"	محمد عبداللہ بٹ صاحب۔ عبداللہ منزل۔ محلہ اراضی یعقوب۔ سیالکوٹ
چونڈہ (ضلع سیالکوٹ)	"	محمد شفیع بٹ۔ اڈہ تانگہ جات۔ چونڈہ۔ ضلع سیالکوٹ
ملتان شہر	"	غلام محی الدین خاں۔ بالمقابل گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول۔ ملتان شہر
پنج کسی (ضلع ملتان)	سکریٹری بزم	عطا محمد۔ بمقام پنج کسی۔ تحصیل کبیر والا۔ ضلع ملتان
ڈیرہ غازی خاں	نمائندہ	مشتاق احمد چغتائی۔ کوہ نور سینٹری مارٹ۔ ڈیرہ غازی خاں
جام پور (ضلع ڈیرہ غازیخاں)	"	میاں ظہور احمد خاں۔ رئیس اعظم جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں
چک ۵۰ شمالی (ضلع سرگودھا)	"	چوہدری نصراللہ خاں۔ چک ۵۰ شمالی تحصیل بھلوال۔ ضلع سرگودھا
ہنگو (ضلع کوہاٹ)	"	قاضی سمیع اللہ صاحب۔ ہنگو۔ ضلع کوہاٹ
ٹنڈو محمد خاں (ضلع حیدرآباد)	"	حافظ شاہ حسینی صاحب ایڈووکیٹ۔ ٹنڈو محمد خاں۔ ضلع حیدرآباد
سیالکوٹ۔ صدر	"	ریاست دین صاحب مکان نمبر ۸۰۵ گلی نمبر ۳ سیالکوٹ صدر
جلالپور جٹاں (ضلع گجرات)	"	ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب۔ بازار کلاں۔ جلالپور جٹاں (ضلع گجرات)
دیونہ منڈی (" ")	"	محمد اکبر صاحب دیونہ منڈی۔ ضلع گجرات
مردان	"	ڈاکٹر عبدالحکیم خاں۔ کریسنٹ میڈیکل ہال۔ بنک روڈ۔ مردان
مظفرگڑھ	"	عبدالغفور چغتائی۔ سکریٹری ڈسٹرکٹ آرمڈ سروسز بورڈ مظفرگڑھ
جھنگ صدر	"	ظفر عباس قریشی۔ لال دھر سالہ بالائی منزل۔ جھنگ بازار۔ جھنگ صدر
چنیوٹ (ضلع جھنگ)	"	نور محمد۔ نفیس مٹھائی شاپ۔ چنیوٹ۔ ضلع جھنگ
کلری (" ")	"	محمد خاں خالد کلری (براستہ سلانوالی) ضلع جھنگ
شکرگڑھ (ضلع سیالکوٹ)	"	ملک بشیر احمد خاں ایڈووکیٹ شکرگڑھ (ضلع سیالکوٹ)

لغات القرآن

پہلی جلد

وہ اہم کتاب جس کا برسوں سے شدید انتظار تھا زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ اشاعت پر آگئی۔

قرآنِ کریم کا انسائیکلوپیڈیا

قرآن کی تفسیر قرآن سے

کتاب کے حصہ اول میں مبادیات اور قرآنی الفاظ کی فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے!

جن احباب نے یہ علم افروز کتاب حاصل نہیں کی وہ جلد حاصل کریں۔ یہ ایڈیشن تیزی سے ختم ہو رہا ہے ایسی نادر کتاب بار بار طبع نہیں ہوتی۔

طباعت حسین ٹائپ میں ـــ بہترین سفید کاغذ ـــ جلد پائیدار اور دیدہ زیب

قیمت: **پندرہ روپے** (علاوہ محصول ڈاک)

شائع کردہ: ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵۔ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

ملنے کا پتہ: مکتبہ طلوعِ اسلام۔ ۲۷۔ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

اِن کیلئے کسی کا احسان نہ اٹھائیے

ہر وہ کتاب جو ہمیں لاہور میں مل جائے آپ کا آرڈر آنے پر ہم آپ کو بذریعہ ڈاک پہنچا دیں گے۔ لہٰذا لاہور سے کتاب منگوانے کے لئے آپ پریشان ہوں نہ کسی کا احسان اٹھائیں۔ براہِ راست ہمیں خط لکھ دیں۔ ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ نیز مندرجہ ذیل کتب میں سے جو کتاب پسند آئے اس کے لئے خط لکھ دیں۔

۱۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی

اس کتاب میں غیر مسلم مملکتوں سے اسلامی مملکت کے معاہدات اور دیگر بین الاقوامی مسائل میں نبی کریمؐ کے فیصلے دیئے گئے ہیں اور ساتھ ہی چار خطوط مبارکہ کے فوٹو بھی شامل ہے۔ قیمت مجلد۔ پانچ روپے۔

۲۔ قصص الانبیاء

اس کتاب میں انبیاء علیہم السلام کے کوائف حیات کے علاوہ آخر میں حضرات خلفائے راشدینؓ۔ امام حسنؓ و امام حسینؓ و ائمہ اربعہ کے حالات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے قیمت ۶/-/-

۳۔ منصبِ امامت

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا نام ہی اس کتاب کی اہمیت و جامعیت کے لئے کافی ہے اصل کتاب فارسی میں تھی جو عرصے سے نایاب تھی۔ اب اس کا اردو زبان میں ترجمہ بڑی عمدگی کے ساتھ طبع کیا گیا ہے۔ قیمت ۲/۴/-

۴۔ نجوم الفرقان

آیاتِ قرآن نکالنے کے لئے بہترین کتاب ہے کوئی لفظ قرآن کی کسی آیت کا یاد آجائے تو اس لفظ کو اس کتاب میں دیکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ کہاں کہاں آیا ہے۔ اس قدر مفید کتاب اور تین روپے ہیں۔

۵۔ توہین

وہ دونوں کالج میں پڑھتے تھے۔ وہ ایک امیر باپ کی بیٹی تھی اور وہ ایک غریب باپ کا بیٹا۔ وہ غیر معمولی طور پر محنتی اور ذہین تھا لیکن روپی کا مسئلہ تعلیم کے آڑے آرہا تھا۔ وہ اس کی مدد کرتی رہی۔ کیا وہ اس مدد کو توہین سمجھتا تھا؟ عارف بٹالوی کا تازہ ناول پڑھیئے۔ ایک نفسیاتی ناول ہے۔ قیمت ۴/-/-

ملنے کا پتہ:- **مکتبہ طلوعِ اسلام ۲۷۔ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور**

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رُوئیداد

طلوعِ اسلام کنونشن لاہور

(منعقدہ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰ر اپریل سنہ ۱۹۶۰ء)

چوتھا سالانہ اجتماع

(مرتبہ:۔ محترم صفدر سلیمی صاحب)

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن!

گردشِ لیل و نہار دیکھتے ہی دیکھتے سال بھر کی منزلیں طے کر گئی۔ اور ۷ر اپریل کا آفتاب ـــــ جشنِ نزولِ قرآن کے ایک ہفتہ بعد ـــــ قرآنی فکر کی حسین آرزوؤں کو انجمن آرائیوں کے محسوس و مشہود پیکروں میں ڈھلتے دیکھ رہا ہے۔ بہترین ہاؤس (شالامار ٹاؤن)۔ لاہور کے سبزہ زاروں میں ایک بار پھر نور و نکہت کی وہ بساط بچھ رہی ہے جو عصرِ حاضر کے ہنگامہ ہائے کارزار کو ایک نئی روحِ انقلاب عطا کرے گی اور عجب نہیں کہ وہ نوعِ انسانی کی اُس صبحِ بہار کا عنوان ثابت ہو جس کی نور پاشیوں میں

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

واشرقت الارض بنور ربها

اور

یہ زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھیگی

نگہ بازگشت

ہاں ایک سال قبل ـــــ موسمِ بہار کی گلباریوں کا ہی ہجوم تھا۔ کونشن ہاؤس کی یہی گلپوش روشیں اور آئینہ پاش فضائیں تھیں۔ لالہ و گل کی مسکراہٹوں کا یہی کیف زا جنت آباد تھا۔ فصلِ بہار کی سرمستیوں میں یہی تر و تازگی تھی۔ حسنِ فطرت کی عروسِ جاں نواز یونہی اپنی رنگینیوں اور رعنائیوں کی شراب برسا رہی تھی۔ اور قرآنی صبحِ انقلاب کے طائرانِ پیش رس تھے جو اس فضائے کیف بار میں ذکر و فکر کی دلکش بزم سجائے بیٹھے تھے۔ اور اب ـــــ ایک سال بعد ـــــ موسمی انقلاب کے اُسی بہار آفریں آغاز میں جبکہ ؏ راہ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار ـــــ

ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار

نشیدِ قرآنی کے وہی زمزمہ ساز وداع و وصل کی بھولی بسری یادوں کو تازہ کرتے ہوئے بہترین ہاؤس کے بابِ عالی میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اگر سننے والے کان موجود ہوں تو یقیناً ان کے لبوں پر رقص کرتا ہوا غالبؔ کا یہ نغمۂ دلکش صاف سنائی دے رہا ہے۔

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال

کونشن کمیٹی صبح کے اجلاس میں سارے انتظامات کا خاکہ ترتیب دے چکی ہے۔ رضاکار تقسیمِ کار کے بعد اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال چکے ہیں۔ دفترِ استقبالیہ، مہمان کیمپ، ایوانِ کونشن، طعام گاہ۔ بک سٹال۔ ٹی اسٹال ـــــ الغرض ہر ضروری انتظام حسنِ ترتیب سے تکمیل پا رہا ہے۔ کیمپ کمانڈر (چوہدری نصر اللہ خاں) کی قیادت میں قرآنی نظام کے داعیوں کی چھوٹی سی بستی شامیانوں کی دلکش قطاروں میں چاروں طرف گلہائے رنگا رنگ کے دامن میں پھیلتی چلی جا رہی ہے اور دور دراز کے نمائندگان کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ کونشن ہاؤس سے باہر موٹر رکشا، تانگے، ٹیکسیاں اور کاریں آ آ کر رک رہی ہیں اور جانی پہچانی صورتیں بستروں اور بکسوں کو اٹھائے بڑے دروازے سے اندر داخل ہو ہو کر چاروں طرف پھیل رہی ہیں۔ جگہ بہ جگہ ربطِ باہمی کے محبت بھرے مظاہرے، مسکراہٹوں اور قہقہوں کی صورت میں بکھرے جا رہے ہیں اور اخوت کی گرم جوشیوں میں ہم آغوشیوں کا وہ سرور انگیز اور جانفزا سماں چاروں طرف بندھ رہا ہے جس سے کونشن ہاؤس کی ساری فضا وجد و مسرت سے جھوم اٹھی ہے گویا۔

جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

دن ڈھل گیا۔ آفتاب کی کرنیں ماند پڑ گئیں۔ گردوں کا یہ شہسوار ان حسین مناظر کی یاد سینے میں لئے افقِ مغرب میں غائب ہو گیا۔ آسمان پر ستاروں کی قندیلیں جگمگانے لگیں۔ لیکن کونشن ہاؤس میں قرآنی فکر کے چراغوں کا ہجوم برابر بڑھ رہا ہے۔ کیمپ کی دیواروں میں جگہ بجگہ چھوٹی چھوٹی مجلسیں آراستہ ہیں۔ کہیں از سرِ نو تعارف کا سلسلہ۔ کہیں مستقبل کی تعمیر کا ذکرِ جمیل۔ کہیں اپنی کٹھن راہ کی مشکلات و موانعات کی وضاحت۔ الغرض باہمی ربط و ضبط، اخوت و محبت، مسکراہٹوں اور قہقہوں کا ایک دلکش امتزاج ہے جو پورے کیمپ پر نسیمِ بہار کی طرح چھایا ہوا ہے۔ آخر کیوں نہ ہو۔

یہ محبت کی حرارت، یہ تمنا، یہ نمود　　فصلِ گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب

اس اندھیری رات کی تاریکیوں میں جو صدیوں سے امت کے فکر و نظر کے کاشانوں پر چھائی ہوئی ہے اس خیابان کی مہتابی فضا کو دیکھئے۔ سب کی جگمگاتی ہوئی پیشانیوں سے اس تعارف کا برملا اعلان ہو رہا ہے

ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

تعارفی اجلاس

رات کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں اور ایوانِ کونشن سے مائیک پر پہلا اعلان گونجتا ہے

تعارفی اجلاس شروع ہو رہا ہے۔ پنڈال کا رُخ کیجئے!

اور یہ اعلان سنتے ہی سب کے قدم پنڈال کی جانب اٹھنے لگے۔ چھوٹی چھوٹی مجلسیں منتشر ہو گئیں اور ایوانِ کونشن میں وہ تعارفی مجلس آراستہ ہو گئی جو ہر سالانہ کنونشن کا حرفِ آغاز بنتی ہے اور جس میں احباب صحیح معنوں میں ایک دوسرے سے باضابطہ طور پر روشناس ہوتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے عوام کے معروف "صدر" اور تحریک پاکستان کے ممتاز زعیم، خان بخت جمال خاں نعرہ ہائے مسرت میں اس اجلاس کی مسندِ صدارت پر رونق افروز ہونے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ اُدھر سے ان کے قدم اٹھ رہے ہیں اور اِدھر اسٹیج سے میر کارواں کی یہ دلکش اور ولولہ انگیز صدا ان الفاظ میں ان کا تعارف کرا رہی ہے کہ

سر بکف، شعر بلب، جام بدست آتا ہے ۔۔۔ بزمِ ہستی میں پھر اک رندِ الست آتا ہے
جس کے نعروں سے بپا حشر سرِ بامِ جمال ۔۔۔ عرشۂ نور پہ وہ غلغلہ مست آتا ہے

وہ کرسیٔ صدارت پر رونق افروز ہوئے تو میاں برہان الدین نے تلاوتِ کلام پاک سے کارروائی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد سب احباب کے جانے پہچانے ہر دلعزیز رفیق خلیل مرزا کا نغمۂ نوبہار فضا میں گونجا۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

کیسی انقلاب آفریں ہے زندگی کی یہ حقیقت جو پیامِ اقبالؒ کی روح اور خلیل صاحب کے نغمہ کی جاں بخش پکار ہے۔ اور پھر اس کے بعد

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

اور کون ہے وہ بدبخت جو اس اٹل حقیقت سے انکار کر سکے ـــــ ہاں خدا کی یہی آخری کتاب ہی تو انسانی زندگی کے داخلی اور خارجی انقلاب کا حقیقی سرچشمہ ہے۔

نظم کے بعد تعارفِ باہمی کا سلسلۂ دراز شروع ہوتا ہے۔ کراچی، لاہور، پشاور، مردان، لائلپور، راولپنڈی، سیالکوٹ، جھنگ، سرگودھا، جہلم ہر جگہ کے احباب باری باری سب کے سامنے آتے ہیں ـــــ نہیں بلکہ سعودی عرب اور مغربی جرمنی کے نمائندے بھی۔ بعض احباب کے تعارف کے لئے پرویز صاحب بہ نفسِ نفیس مائک پر آنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ حکیم عبداللہ شاہ حسنی

شیخ الفاضل مولانا خلیل اللہ۔ خاں عبدالحکیم خاں۔ شیخ گلزار حسین اور خان محمد اکرم خاں کو یہ امتیاز حاصل ہوتا ہے کہ ان احباب کا تعارف کراتے ہوئے پرویز صاحب نے ان کے خلوص و ایثار کو خراجِ تحسین پیش کیا اور ان کی رفاقت اور جوشِ کردار کو اپنے قافلۂ بہار کے لئے باعثِ افتخار قرار دیا۔ جب مومنانہ فراست اور نورانیت کے مجسمے حکیم حسنی صاحب تعارف کے لئے اپنی کرسی سے اٹھے تو فضا کی نشاط آفرینی سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے پرویز صاحب بے ساختہ پکار اٹھے کہ

انہی لوگوں کے آنے سے ہے میخانہ کی عظمت ہے

قدم لو شیخ کے وہ آئے بزمِ بادہ خواراں ہیں

باہمی تعارف کا یہ سلسلہ بارہ بجے شب تک جاری رہتا ہے اور سکوتِ نیم شبی میں جب یہ مجلس برخاست ہوتی ہے تو سب اپنے کیمپ کا رخ کرتے ہیں۔ لیکن وداع و وصل کی ان لذتوں میں نیند کا گذر کہاں؟ کیمپ میں جگہ جگہ ایک بار پھر چھوٹی چھوٹی محفلیں سج جاتی ہیں۔ کہیں بوڑھے بخت جمال کے قہقہے، جذب و مستی کی جنت آباد کر رہے ہیں۔ کہیں میاں عبدالخالق کی ستم ظریفیوں نے کشتِ زعفران کا سماں باندھ رکھا ہے۔ کہیں ایک گوشے میں حکیم حسنی اور مولانا خلیل اللہ کی علمی متانت سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔ کہیں احباب مردان کی چشمکیں ہیں اور کہیں راولپنڈی کے شگفتہ رو "عارفانہ کلام" سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ عجیب کیف زا ہے یہ سہانی رات اور مبارک و مسعود ہیں یہ محفلیں جن پر ستاروں کی انجمن کو بھی رشک آ رہا ہے۔ محفلیں کیا ہیں؟ زبانِ حال ان کی جانب اشارہ کر کے پکار رہی ہے ——

چشمِ پیراں کہن میں زندگانی کا فروغ

نوجواں اپنے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب

خمخانۂ قرآن کے یہ سرمست جانتے ہیں کہ یہ سہانی رات سینکڑوں راتوں کے بڑے ہی سکوں سوز انتظار کے بعد آتی ہے! اس ایک رات کے لئے کتنی ہی راتیں ستارے گن گن کر گذاری جاتی ہیں۔ اور پتہ نہیں کہ اس ایک رات کے لئے آئندہ انتظار کی مدت کتنی طویل ہو جائے۔

پہلا اجلاس

۸ر اپریل کا آفتاب طلوع ہوا ہے۔ کنونشن کے آج کے پروگرام میں دو بڑے ہی اہم اجلاس شامل ہیں۔ پہلے اجلاس میں پرویز صاحب کا ہم نفسانِ چمن سے افتتاحی خطاب شامل ہے اور اس کی اہمیت سب پر واضح ہے ۔۔ لہٰذا وہ دیکھیے! سب ناشتہ سے جلدی جلدی فارغ ہو کر پنڈال کا رخ کر رہے ہیں۔ ٹھیک نو بجے پرویز صاحب مولانا عبدالرب اور دیگر احباب کی معیت میں ایوان میں داخل ہوتے ہیں۔ اجلاس کی صدارت حکیم حسنی صاحب مدظلہ کے حصے میں آتی ہے۔ اور تحریکِ صدارت پر جب ٹرکش کیپ اور سفید اچکن میں ملبوس، یہ سفید ریش اور نورانی شخصیت، پیرانہ سالی کی متانت اور پاکیزگی چہرے پہ لئے کرسیٔ صدارت کو زینت بخشتی ہے تو سب کی نگاہیں دفورِ احترام میں سٹیج پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ شیخ الفاضل

مولانا محمد خلیل اللہ کی تلاوت اور مرزا رحیم بخش کی نظم کے بعد ناظم ادارہ طلوع اسلام مولانا عبد الرب صاحب، دو تعزیتی قرار دادیں کانپتے ہوئے ہاتھوں میں لئے مائک کے سامنے آتے ہیں۔ رفیق عزیز سبحانی مرحوم کی وفات حسرت آیات پچھلے سال کتنی آنکھوں سے خون کے آنسو بہا چکی ہے اور آج احباب کے سالانہ اجتماع میں مرحوم کی تعزیتی قرار داد پیش ہو رہی ہے۔ قرارداد کے سلسلہ میں جونہی سبحانی کا نام مولانا کی زبان پر آیا احباب کے مندمل زخم از سر نو تازہ ہو گئے۔ مولانا کی آواز گلوگیر ہے اور وہ آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش میں ناکام ہو گئے ـــــ اور سٹیج کے عقب میں ـــــ پرویز صاحب کی تو ہچکیاں بندھ رہی ہیں مسلسل تیس برس تک کا قلب و نظر کا گہرا رشتہ ـــــ سبحانی کی موت نے ان کا ایک محبوب ترین رفیق چھین لیا۔ اور سب کو یاد ہے کہ اس جگر پاش المیہ پر انھوں نے رو رو کر پکارا تھا ـــــ

آہ سبحانی! تمہاری موت سے میں تنہا رہ گیا! مجھے فی الواقعہ تمہاری بڑی ضرورت تھی ......
تمہارے جانے سے میرا بازو کٹ گیا ـــــ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے!

لیکن آہ! یہ گوہر نایاب ہمیشہ کے لئے پرویز صاحب سے چھن گیا۔ اور تم آہ! کہ

جو گہر کھو گیا ہے اس کو پا سکتے نہیں
خفتۂ شہر خموشاں کو جگا سکتے نہیں

دوسری قرار داد تعزیت صدر کونشن کمیٹی چوہدری عبد الرحمٰن صاحب کے والد مرحوم (چوہدری محمد یٰسین) کے سانحۂ ارتحال سے متعلق تھی۔ طلوع اسلام کونشن کے سالانہ اجتماعات کو ہمیشہ مرحوم کے خلوص اور ذوق و شوق کی گرانمایہ سرپرستی اور تعاون حاصل رہا اور ان کی رحلت کے بعد آج اس بھرپور فضا میں خلا محسوس ہو رہا ہے۔ چار سال قبل موت کے بے رحم ہاتھوں نے احباب سے اس سلسلہ تعمیر کے پہلے معمار (چوہدری عبد الرحمٰن کے برادر عزیز چوہدری عبد المجید) کو چھین لیا تھا اور آج وہ ان کے والد بزرگوار کی رفاقت سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ قرارداد میں چوہدری عبد الرحمٰن اور ان کے غم نصیب بھائیوں سے مخلصانہ تعزیت کا اظہار کیا گیا۔

(ہر دو تعزیتی قراردادیں روئیداد کے آخر میں درج ہیں)

قرار دادوں کی منظوری کے بعد صدر کونشن کمیٹی چوہدری عبد الرحمٰن اپنا استقبالیہ پیش کرتے ہوئے احباب کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ کس خلوصِ قلب کے ترجمان ہیں استقبالیہ کے یہ الفاظ

کوئی ایک ہفتہ قبل لوگوں کو عید کے چاند کا انتظار تھا لیکن میری بے تاب نگاہیں ان تابناک ستاروں کے لئے دنقشِ راہ تھیں جن کی آمد سے اس خطۂ زمین کو جنت نگاہ بن جانا تھا۔ آپ آگئے تو میرے لئے گویا عید کا چاند طلوع ہو گیا۔ (یہ استقبالیہ بھی شاملِ اشاعت ہے)

استقبالیہ کے بعد پرویز صاحب کے عمر بھر کے رفیق۔ قرآنی تحریک کے شیدائی، پیر جواں ہمت وجواں بخت، ناظم ادارہ طلوع اسلام مولانا عبدالرب صاحب اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہیں اور سب سے پہلے لغات القرآن کے منظر اشاعت پر آنے کی نوید جانفزا سناتے ہیں۔ اس اعلان کا خیر مقدم پرجوش تالیوں اور نعرہ ہائے مسرت سے ہوتا ہے۔ پھر وہ کراچی اور گوجرانوالہ جیسی سرگرم عمل بزموں کی گرمجوشیوں پر اظہار تحسین کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ذاکر حیات ملک جیسے پیکر عمل کو مرحبا کہتے ہیں۔ جن کے جوش کردار سے حرکت وعمل کے کئی چشمے پھوٹ نکلے اور کئی بزموں کو حیات تازہ حاصل ہوئی۔

(مولانا کی رپورٹ اسی اشاعت میں شامل ہے)

مولانا کے مائیک سے رخصت ہوتے ہی پرویز صاحب کے افتتاحی خطاب کا اعلان ہوتا ہے۔ پرویز صاحب اسٹیج کے عقب سے اپنی مخصوص مسند خطاب کا رخ کرتے ہیں اور سب کی نگاہیں ان پر مرکوز ہیں۔ بادۂ زندگی۔ خم زندگی۔ اور پیام فصل بہار کے بعد رفقائے سفر کے کان ایک نئے پیغام کے منتظر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ حالات کے نئے تقاضوں کی مناسبت سے یہ پیغام بڑا اہم ہوگا۔ اور واقعی مفکر قرآن اس بار بڑا اہم اور عمل برانداز پیغام لے کر سامنے آئے ہیں ان کے خطاب کا عنوان ہے۔

معمار حرم

باز بہ تعمیر جہاں خیز\
از خواب گراں، خواب گراں خواب گراں خیز!

اور اپنے قافلۂ بہار کے طائران پیش رس سے آغاز خطاب کرتے ہوئے، وہ اپنے پیغام کی اہمیت یوں واضح فرماتے ہیں

آنچہ من در بزم شوق آوردہ ام دانی کہ چیست؟\
یک چمن گل، یک نیستاں نالہ۔ یک خمخانہ مے

پرویز صاحب نے واضح کیا کہ آج مملکت پاکستان ایک بار پھر دستوری تدوین کے نازک مرحلے کو طے کر رہی ہے اور اس آئین کے لئے جو مملکت کے لئے رگ حیات کی حیثیت رکھتا ہے افراد مملکت کی رائے معلوم کی جارہی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارا علیٰ وجہ البصیرت ایمان ہے کہ اگر پاکستان میں قرآنی آئین نافذ ہوگیا تو اس کے درخشندہ وتابناک نتائج پوری دنیا پر اثر انداز ہوں گے اور چشم فلک ایک بار پھر قرن اوّل کا جنت نگاہ منظر دیکھنے کے قابل ہو جائے گی۔

انھوں نے اعلان کیا کہ قرآنی آئین کا نفاذ ہی رسول اکرمؐ کی حقیقی سنت اور اسوۂ حسنہ ہے اور یہی آئین ہے جو اس خزاں رسیدہ چمن میں بہاریں لاسکتا ہے۔ اس مرحلہ پر انھوں نے بڑے ہی اثر انگیز اور والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا

کرو نہ کچھ فکر جام ساقی۔ بہار آنے تو دو چمن میں\
گلوں سے ٹپکے گا رنگ مستی۔ ہوا کرے گی شراب پیدا

اور اس طرح احباب کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور واضح کیا کہ اس مرحلہ پر ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کس قدر قیمتی

ہے اور یہ منزل کس قدر کڑے امتحان کی منزل ہے۔ خطاب کے آخر میں ان کے یہ الفاظ کیسی سکوں سوز بے تابیوں کے آئینہ دار تھے

میری کیفیت تو اب یہ ہے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اس نظامِ ربوبیت کے انتظار میں گذر رہا ہے

جو جنت سے نکلے ہوئے آدم کو پھر سے فردوس بداماں کر دے۔

(پرویز صاحب کا یہ خطاب اسی اشاعت میں ملاحظہ کیجئے)

پرویز صاحب کے اس خطاب کے بعد اجلاس مجلسِ نمائندگان میں تبدیل ہو گیا اور پروگرام کے مطابق احباب کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ اس نشست میں شیخ محمد اقبال (نمائندہ بزم گوجرانوالہ) برکت علی خان غیور (نمائندہ بزم سکھر) ظفر عباس قریشی (نمائندہ بزم جھنگ صدر) عزیز احمد قریشی (راولپنڈی) نے مختصر تقاریر میں تحریک کی ترقی اور استحکام کے سلسلے میں اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔

دوسرا اجلاس

۸ر اپریل ـــ دن کے چار بج رہے ہیں اور ایوانِ کنونشن میں اپنی نوعیت کا وہ عدیم المثال اجلاس شروع ہوتا ہے جس میں مفکرِ قرآن آئینِ پاکستان کے سلسلے میں وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں جو پاکستان کی تاریخ میں نشانِ منزل کی حیثیت اختیار کرے گا اور انسانی فکر و بصیرت کے شاہکاروں میں ایک نئے اور لازوال شاہکار کا اضافہ کرے گا۔

اجلاس کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے کھلا اجلاس قرار دیا گیا ہے اور سب کے لئے شرکت کا اذنِ عام ہے۔ اس لئے وقتِ مقررہ سے پہلے ہی ایوانِ کنونشن میں کافی گہما گہمی نظر آ رہی تھی اور جب اجلاس شروع ہوتا ہے تو ایوان آخری گوشوں تک کھچا کھچ بھر چکا ہے۔ اور باہر سے لوگ قطار در قطار چلے آ رہے ہیں۔ اسٹیج کے دامن میں ٹیپ ریکارڈروں کی ایک قطار سی میز پر سج گئی ہے۔ ان ریکارڈروں کے ذریعے یہ آواز پاکستان سے باہر غیر ممالک میں بھی پہنچ جائے گی۔

ٹھیک چار بجے مولانا عبدالرب صاحب کرسئ صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔ تلاوتِ کلام پاک اور خلیل مرزا صاحب کی نظم کے بعد پرویز صاحب کو دعوتِ خطاب ملتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اسٹیج پر پہنچ کر اپنی مخصوص نشست سنبھالتے ہیں اور منتظر نگاہوں کی کشمکش انتظار ختم کر دیتے ہیں۔ پوری فضا اس پیامِ حیات کے لئے گوش بر آواز دکھائی دیتی ہے جو پاکستان اور اسلامی دنیا کے صدیوں کے الجھے ہوئے عظیم ترین مسئلہ کو حل کر کے رکھ دے گا۔

مفکرِ قرآن کی آواز آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہوتی ہے۔ ٹیپ ریکارڈنگ کی مشینیں حرکت میں آ گئیں اور اس کے ساتھ ہی رپورٹروں کے قلم بھی۔ پرویز صاحب کے ولولہ ہائے شوق کی سرمستیاں اور حسنِ خطابت کی معجز نمائیاں نہ پوچھئے! اسی مسئلہ کا حل ساری زندگی ان کا شاہدِ مقصود رہا ہے۔ اسی کے محور پر سالہا سال تک ان کے فکر و بصیرت کی گردش جاری رہی! اسی متاعِ بے بہا کو وہ مدت سے اپنے قافلے میں لئے ہوئے اور بھٹکانے لگے تھے چلے آتے ہیں۔ اسی فلسفۂ انقلاب کو محسوس و مشہود دیکھنے کے لئے

ان کی زندگی کی سینکڑوں راتیں طلسم پیچ وتاب بنی رہیں۔ اور آج جب کہ ارباب بست وکشاد کا قافلہ خود آگے بڑھ کر قرآن کے باب عالی پر دستک دے رہا ہے، پردہ شب سے ابھرتی ہوئی اس صبح امید کی ایک ایک کرن اس دانائے راز کی حسین تمناؤں آرزؤں اور قلندرانہ دعاؤں سے ہم آغوش ہوتی نظر آرہی ہے۔

پرویز صاحب کا خطاب شروع ہوتا ہے:-

"اسلامی آئین کے بنیادی اصول"

خطاب کیا ہے بارہ ابواب پر مشتمل اسلامی آئین کا اجلا اجلا اور نکھرا نکھرا خاکہ — جس کے ایک ایک گوشے میں قرآنی فکر وبصیرت کی کرنیں جگمگا رہی ہیں۔ اور ایک ایک باب نور وحکمت کا شبستانِ جمال نظر آتا ہے۔ کم وبیش دو گھنٹے تک ایوان کی فضا جذب ومستی کی لذتوں میں کھوئی رہی۔ اور عین اس وقت جبکہ سورج کی کرنیں کیف وسرور کی اس متاعِ بے بہا کو لپیٹے دامن میں سمیٹے افقِ مغرب میں غائب ہو رہی تھیں۔ پیرِ مخانۂ قرآن کے اس دل آشنائے آخری کلمات یہ کہہ کر جذبِ نشاط روح بنا ہے تھے کہ

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (۴۷/۷)

اگر تم نے قانونِ خداوندی کی ترویج وتنفیذ میں امداد کی تو خدا کا قانونِ حیات تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثبات وقرار عطا فرمائے گا۔

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۹/۱۱۱)

اور یہ زندگی کی سب سے بڑی کامرانی ہے

پرویز صاحب کا یہ خطاب ختم ہوتے ہی بہت سے معزز مہمان دیوانہ وار اسٹیج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تحریک پاکستان کے ایک مخلص اور ممتاز رہنما جو غیر ممالک میں سفارتی مناصب پر بھی فائز رہے ہیں جھوم جھوم کر کہہ رہے ہیں

بہت خوب! بہت خوب! بڑی ہی لاجواب تھی علامہ پرویز کی یہ تقریر۔ ایسی علم افروز تقریر آج زندگی میں پہلی بار سنی ہے۔ خدا انکی عمر دراز کرے۔

سیکورٹی سنٹر کا ایک افسر ایک گوشے میں بے ساختہ کہتا سنائی دے رہا ہے۔

یہ تقریر ملک کی قسمت بدل سکتی ہے۔ پرویز صاحب کا نام تو بہت سنا تھا لیکن ایسی جامع تقریر۔ واہ واہ! رپورٹ لینے آئے تھے لیکن بہت کچھ حاصل کر کے جا رہے ہیں۔

ایک کمیونسٹ جسے اس کا ساتھی مجبور کر کے ساتھ لایا ہے، پرشوق نگاہوں سے پرویز صاحب کو ملاقاتیوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اور اپنے ساتھی سے کہہ رہا ہے!

ہاں رفیق! تم نے جو کچھ کہا تھا واقعی درست ہے۔ بڑی اونچی فکر ہے اس شخص کی۔ اسلام کو یہ کارل مارکس کے مقابلے میں لا سکتا ہے۔ میں تو بے حد متاثر ہوا ہوں اس سے۔ کیا یہ تقریر چھپی

ہوئی مل سکے گی!

الغرض ہر خیال اور ہر فکر کے لوگ اس مفکرِ قرآن کو اپنے اپنے الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں۔ جس نے اپنی زندگی خدا کے اس آخری پیغام کو سمجھنے اور سمجھانے میں وقف کر دی۔ قرآن سے یہ والہانہ عشق زندگی کی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

(پرویز صاحب کا یہ تاریخی خطاب اشاعتِ زیرِ نظر میں ملاحظہ فرمایئے)

تیسرا اجلاس

کونشن کا تیسرا باضابطہ اجلاس ۸½ بجے شب خان عبدالحکیم خاں آف مردان کی صدارت میں شروع ہوتا ہے۔ تلاوتِ کلام پاک اور نظم کے بعد ڈاکٹر سید عبدالودود کے خطاب کی باری ہے۔ ان کے خطاب کا عنوان ہے ــــ استبداد اور عدل ــــ (یہ خطاب زیرِ نظر اشاعت میں شامل ہے)

خطاب کے آغاز سے قبل پرویز صاحب مقرر کے تعارف کے سلسلے میں مائیک پر آتے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی رفاقت ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔ اور ان کی سیرت کی بعض خصوصیات تو ایسی ہیں کہ انھوں نے بہت سے انسانی کُلّیوں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ڈاکٹر اور سائنٹسٹ کے سینے میں انسانی دل نہیں ہوتا۔ ایک سپاہی، فکری صلاحیتوں سے عاری ہوتا ہے اور ایک سیاستداں خلوص سے بے بہرہ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کے معاملے میں یہ سب کچھ غلط ثابت ہوا ہے۔ ان کی ساری زندگی ایک ڈاکٹر اور سرجن کی حیثیت سے گذری لیکن ان کے سینے میں ایک تڑپتا ہوا دل ہے۔ یہ سالہا سال تک خاکسار تحریک اور دوسری عالمگیر جنگ میں سپاہی رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی فکر ہر بات کی تہہ تک پہنچتی ہے۔ وہ مدتوں سیاسی کارگاہ میں سرگرمِ تگ و تاز رہے ہیں لیکن اپنا دامن ادنیٰ سیاسی آلودگی سے داغدار نہیں ہونے دیا ــــ اور ان کا سب سے بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ یہ میرے ہر درسِ قرآنی اور تاریخی کلاس کے ہر لیکچر کا ایک ایک حرف ضبطِ تحریر میں لے آئے ہیں۔ یہ کام بڑی صبر آزما مشقت کا طالب تھا جسے یہ اس حسنِ مسرت سے سرانجام دے رہے ہیں۔

اس تعارف کے بعد ڈاکٹر موصوف کا خطاب شروع ہوتا ہے۔ وہ پہلے استبداد کی تفاصیل پیش کرتے ہیں اور کھول کھول کر بتاتے ہیں کہ استبداد کن کن راستوں اور کس کس طور طریق سے نوعِ انسانی پر تسلط جمائے چلا آ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ عدل کے دینی تصور کی وضاحت کرتے ہیں اور قرنِ اوّل کی تاریخی مثالوں سے اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ اسلام نے کس طرح استبداد کے مختلف سرچشموں کو ختم کیا اور نوعِ انسانی کو اس کی تہرانیوں سے نجات دلا کر عدل و مساوات کی وہ عالم آرا بساط بچھا دی کہ جس

انسان کو دوسرے انسانوں پر حکومت کا حق حاصل نہ رہا۔

ڈاکٹر موصوف کے خطاب کے بعد میاں عبدالخالق صاحب نے آئین پاکستان کے سلسلے میں دو اہم قراردادیں (روئیداد کے آخر میں دیکھئے) پیش کیں۔ ان قراردادوں میں صدرِ مملکت اور چیئرمین کانسٹی ٹیوشن کمیشن آف پاکستان سے درخواست کی گئی کہ دستورِ مملکت کی ترتیب و تدوین میں قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کو اساسی حیثیت دی جائے اور ہر اس ملکی قانون کو ختم کردیا جائے جو ان اصولوں کے خلاف ہو۔

ان قراردادوں کے بعد محترم عبداللطیف نظامی صاحب ایک قرارداد میں حکومت پاکستان کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں کہ اس نے عائلی کمیشن کی سفارشات کو منظور کرکے ملت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ قرارداد میں واضح کیا گیا کہ مذکورہ سفارشات مروجہ شریعت کے مقابلہ میں قرآن کریم کی تعلیم سے قریب تر ہیں اور انہیں جلد از جلد قانونی شکل میں لانے کی اشد ضرورت ہے۔ (قرارداد آخر میں دیکھئے)

ان قراردادوں کی منظوری کے بعد حسب پروگرام نمائندگان کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی اور اس سلسلے میں محترم مصطفےٰ عباسی (مری) محترم گلزار حسین (کراچی) شیخ الفاضل مولانا محمد خلیل اللہ صاحب اور حافظ شاہ حسینی صاحب ایڈووکیٹ نے اپنے قیمتی خیالات سے احباب کو مستفیض فرمایا۔ بارہ بجے کے قریب اجلاس ختم ہوا۔

ابر گہربار

راولپنڈی کونشن اکتوبر کے مہینے میں منعقد ہوئی تھی اور وہاں دوسری شب بڑے زور کی بارش ہوئی تھی۔ اسی کے پیش نظر یہ طے کیا گیا تھا کہ آئندہ کونشن اپریل کے مہینے میں لاہور میں ہوا کرے۔ لاہور میں اپریل کا مہینہ بڑا خوشگوار ہوتا ہے اور (معمول کے مطابق) بارش کا خطرہ بھی نہیں ہوتا۔ شب کا اجلاس ختم ہوا تو آسمان پر تارے مسکرا رہے تھے لیکن ابھی دو گھنٹے بھی نہ گذرے تھے کہ سمتِ مغرب سے سیاہ بادل اٹھتے دکھائی دیئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس رندِ سرمست کی دعا پوری ہوگئی جس نے بادل کو دیکھ کر والہانہ انداز میں کہا تھا کہ

وہ آئی۔ وہ اٹھی۔ وہ گھٹا چھا گئی ساقی!
میخانے پہ اللہ کرے جھوم کے برسے

کونشن میں رین بسیرا شامیانوں کے نیچے ہوتا ہے۔ ذرا تصور میں لایئے اس سمے کو کہ قریب دو صد مہمان شامیانوں کے نیچے محو استراحت ہیں اور اوپر سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ ایسے میں جو کہرام مچ سکتا ہے اور جو افراتفری کا عالم بپا ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے! لیکن ان شامیانوں کے نیچے جو مہمان محو استراحت ہیں، وہ کسی "دوسری دنیا" سے آئے ہیں۔ یہاں نہ کسی قسم کا کہرام مچا، نہ ہنگامہ برپا ہوا، نہ کسی نے شور مچایا، نہ بھگدڑ مچی۔ اس کے برعکس، ادھر سے اُدھر سے، یہاں سے وہاں سے، قہقہوں کا شور، اور مسکراہٹوں کی تابانیاں، گرجتے ہوئے بادل اور کڑکتی ہوئی بجلی کی حریف بن شروع ہوگئیں۔ چوہدری

عبدالرحمٰن نے پنڈال کے گرد و پیش کے مکانات کے دروازے کھول دیئے۔ احباب ایک تماشے کا رنگ پیدا کرتے ہوئے اپنا اپنا بستر اور چارپائی اٹھائے ان کمروں کی طرف چل دیئے۔ لیکن بہت سے مستقل مزاج، کوہِ آسا اپنے اپنے مقام پر جمے رہے تاآنکہ بادل شکست کھا کر بکھر گیا۔

ہم آہنگ احباب کے اجتماع میں صبر آزما مراحل بھی عجیب انداز سے جشنِ مسرت بن جاتے ہیں۔

چوتھا اجلاس

۹-اپریل ۔ صبح نو بجے سے قبل اجلاس شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا کہ ایوان کونشن سے ٹیپ ریکارڈر پر ایک نغمۂ جانفزا فضا میں مرتعش ہو کر فردوسِ گوش بننے لگا۔

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی

اقبال کے حسنِ بیان کی دلکشی اور مغنی آتش نفس کی آتش نوائی! کونشن ہاؤس کی فضا سوز و ساز کی حرارت سے گرما اٹھی۔ اور واقعی "دلِ ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز" بپا ہو گیا۔ سب کے قدم والہانہ طور پر ایوان کی جانب اٹھنے لگے۔ کتنی حسرتیں اور ارمان تڑپ رہے تھے اس شعر میں

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی

تصورات کی پرواز صدیوں کا فاصلہ طے کرتی کہیں سے کہیں پہونچ گئی۔

یہ نغمہ ختم ہوتا ہے۔ اور میاں عبدالخالق صاحب کی صدارت میں اجلاس کی باضابطہ کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ تلاوتِ کلامِ پاک اور نظم کے بعد چوہدری افتخار احمد صاحب خطاب کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خطاب میں اسلامی آئیڈیالوجی اور دین کی عطا فرمودہ مستقل اقدار کی نشر و اشاعت کو واضح کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ قرآنی تعلیمات کے لئے ایک مرکز کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے بعد ملک کے طول و عرض میں ایسی درسگاہوں کا سلسلہ پھیلا دیا جائے۔ (یہ خطاب اسی اشاعت میں دیکھئے)

چوہدری صاحب موصوف کے بعد محترم لطیف الرحمٰن صاحب صدیقی کی باری ہے۔ صدیقی صاحب، پرویز صاحب کے بہت پرانے رفقائے سفر میں سے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے خطاب کا آغاز فرماتے ہوئے سب سے پہلے ماضی کے دھندلکوں سے کچھ نقاب الٹتے ہیں اور پھر بہت مدت کی ان بھولی بسری لیکن سہانی یادوں کو تازہ کرتے ہیں جب انھوں نے سکریٹریٹ کی جامع مسجد کے منبر سے پہلی بار مفکرِ قرآن کی حقیقت کشا آواز سنی تھی اور پھر اس کے بعد اس آواز نے انھیں ہمیشہ کے لئے اپنا لیا۔

صدیقی صاحب نے اپنی تقریر میں انسانی زندگی کے مقاصد کی نقاب کشائی کی اور قرآنی فکر کی روشنی میں واضح کیا کہ زندگی کی جوئے رواں کس منزلِ مقصود کی طرف بڑھی جا رہی ہے اور اس منزلِ مراد سے ہم آغوش ہونے کے لئے خدا کا دین

کس صراطِ مستقیم کی نشان دہی کرتا ہے۔

(صدیقی صاحب کا خطاب اسی اشاعت میں شامل ہے)

ایک اہم قرارداد

صدیقی صاحب کا خطاب ختم ہوتا ہے اور شیخ محمد شفیع صاحب (کراچی) بزموں کے نئے لائحہ عمل کے طور پر ایک اہم قرارداد لے کر سامنے آتے ہیں ــــ یعنی زیر ترتیب ملکی آئین کو قرآنی اصولوں اور اقدار کی روح عطا کرنے کے لئے پبلسٹی کمیٹی کے قیام کی قرارداد۔ اسی قرارداد پر طلوع اسلام کی حسین ترین آرزوؤں کے مستقبل کا انحصار ہے۔ (قرارداد اپنے اصل الفاظ میں آخر میں درج ہے) اس اہم قرارداد کی وضاحت میں شفیع صاحب ایک مختصر لیکن جامع خطاب فرماتے ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے ان تجاویز پر اظہار تحسین کیا جو مختلف احباب نے اظہار خیال کے دوران میں پیش کیں اور پھر فرمایا کہ موجودہ مرحلہ پر کرنے کا کام یہ ہے کہ آئین کمیشن کو اس حقیقت کا احساس دلایا جائے کہ اگر مجوزہ ملکی آئین قرآن کریم کی عطا فرمودہ مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولوں کے مطابق طے نہ ہوا تو یہ کوشش نہ صرف ناموزوں ثابت ہوگی بلکہ ان وضاحتوں کے بھی خلاف ہوگی جو علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے نظریۂ پاکستان کے سلسلہ میں ارشاد فرمائی تھیں۔

شفیع صاحب نے واضح کیا کہ پرویز صاحب نے اپنے تاریخی اور فاضلانہ خطاب میں اسلامی آئین کے بنیادی اصولوں کو پوری شرح وبسط سے پیش کر دیا ہے اور اس سے یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے کہ قرآن کی دفتین میں ایک ضابطۂ حیات کے بنیادی اصول موجود ہیں اور ان اصولوں کی اساس پر جو آئین ترتیب پائے گا وہ نہ صرف اپنی روح اور قالب کے اعتبار سے حقیقی معنوں میں اسلامی آئین قرار پائے گا بلکہ اپنی اس نہج کے اعتبار سے ہماری گوناگوں مشکلات کا شافی حل بھی ثابت ہوگا۔

انھوں نے مزید کہا کہ بزمہائے طلوع اسلام کے لئے سرگرم تگ وتاز ہونے کا اس سے موزوں تر مرحلہ آج تک نہیں آیا۔ ہماری یہ تگ وتاز دعاؤں کو شرف ایجاب بخشے گی اور سالہاسال کی آرزوؤں کو بار آور کرے گی۔ اگر اس اہم مرحلہ پر ہم نے تمام کام چھوڑ کر کمریں کس لیں اور طلوع اسلام کا اس مرحلہ پر شائع کردہ لٹریچر گھر گھر پہنچا دیا تو ملک کی اکثریت آپ کی ہمنوا ہوگی۔ کیونکہ پاکستان کا ہر مسلمان یوں تو دل کی گہرائیوں سے اسلامی آئین کا آرزومند ہے لیکن اُسے یہ معلوم نہیں کہ اسلامی آئین ہوتا کیا ہے؟ اگر اسلامی آئین کی وہ تفصیلات جو ادارہ طلوع اسلام نے شائع کی ہیں عوام تک پہونچ گئیں اور عوام ان سے روشناس ہوگئے تو کامیابی صاف اور واضح ہے۔

قرارداد کی اہمیت کے پیش نظر پرویز صاحب بہ نفس نفیس مائک پر آنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ شفیع صاحب کے بعد وہ بے تابانہ آگے بڑھے اور فرمایا۔

یہ قرار دیا جائے اس اجتماع کا ماحصل ہے۔ ہر کام کے لئے ایک وقت موزوں تر ہوتا ہے۔ آج اس سے زیادہ موزوں وقت اور نہیں ہو سکتا کہ ہم اسلامی آئین کی تشریح و تبیین اور نشر و اشاعت میں امکان بھر کوشش کریں۔ کمیشن اس سلسلہ میں ایک سوالنامہ جاری کر رہا ہے۔ گویا آپ سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ آپ کس قسم کا آئین چاہتے ہیں۔ یاد رکھیئے کہ یہ کچھ محض خانہ پُری کے لئے نہیں ہو رہا بلکہ یہ ملک و ملت کو کسی فیصلہ کن منزل تک پہنچانے کا اقدام ہے۔ یہ ایک آئینی دور ہے اور اگر صحیح آئینی طریق پر کام کیا جائے تو لازماً وہ نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ ملت جس قسم کا مطالبہ کرے گی جمہوری طریق پر اسی نوعیت کا آئین ملک کو مل جائے گا۔

صورتِ حال کی نزاکت اور نمائندگان کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے انھوں نے کہا

سوچئے! کہ ہمارے لئے کتنا نازک مرحلہ آگیا۔ ایک ہزار سال سے ملوکیت نے آج تک یہ مقصد پورا نہیں ہونے دیا۔ آج بھی اکثر ممالک میں اس کا امکان نہیں۔ کیونکہ اسلامی آئین سب سے پہلے بادشاہت کو ختم کرتا ہے اور وہ ممالک اسے کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ ایک متمکن نظام کے بجائے نیا نظام لانا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اور آپ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ کو نئی عمارت بنانے کے لئے زمین مل گئی ہے اور اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہوگی کہ ہم سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ ہم اس زمین پر کس قسم کی تعمیر چاہتے ہیں۔ حیف ہے ہم پر اگر ہم یہ بھی نہ بتا سکیں۔

انھوں نے مزید کہا۔۔۔۔

آپ کے ذمے بہت بڑا کام ہے۔ وقت بڑا تنگ ہے اور آپ کی تعداد بہت کم۔ لیکن اگر آپ عزم و ہمت سے میدان میں نکل آئے تو مجھے یقین ہے کہ ایک بھی ایسا بدبخت مسلمان نہیں ملے گا جو قرآنی آئین کے نفاذ سے اختلاف کی جرأت کر سکے۔ اسے امت کی بدقسمتی سمجھئے کہ محراب و منبر سے آوازیں بلند ہوئیں کہ اگر قرآن کو آئین کی اساس بنایا گیا تو امت میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ کسی نے سوچا ہی نہیں کہ اسلامی آئین کے اصول و جزئیات ہوتے کیا ہیں؟ آج اس آئین کے بنیادی اصول تحریری شکل میں آپ کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ اس راہ میں کسی بڑی قربانی کی بھی ضرورت نہیں صرف عوام تک اس پیغام کو پہنچانے کی ضرورت ہے۔

پرویز صاحب نے مزید وضاحت فرمائی۔۔۔۔

سوالنامہ کے جوابات کے لئے کم و بیش ایک ماہ کا وقفہ ملے گا۔ اس مدت میں عوام تک پہنچنا اور جوابات کی صورت میں ان کی آواز کمیشن تک پہنچانا آپ کا کام ہے۔

اس مرحلہ پر جوشِ تاثر سے پرویز صاحب کا گلا بھر آیا۔ ان کی پلکوں میں آنسو تیرنے لگے اور انھوں نے بڑے سوز ناک لہجہ میں کہا۔

خدارا اس ایک ماہ کو آئینی جدو جہد کے لئے وقف کر دیجئے۔ اور یہاں سے یہ طے کر کے اٹھئے کہ کیا کچھ کرنا ہے۔ یاد رکھیے کہ یہ وقت دوبارہ نہیں آئے گا۔ اگر یہ وقت یونہی گذر گیا تو ساری عمر روؤ گے اور حسرت واماں سے تڑپ تڑپ کر جان دو گے۔

شبِ ہجراں کے جاگنے والو
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

قیامت کے دن جب قرآن سامنے آیا تو کیا جواب دو گے؟ یہاں سے یہ تہیہ کر کے اٹھیے کہ یہ مرحلہ ہرحال سر کرنا ہے۔ مرکزی کمیٹی ملک کے گوشے گوشے میں نہیں پہنچ سکتی۔ یہ کام آپ سب نے مل کر کرنا ہے اور ہر قدم پر اس کے دست و بازو بننا ہے۔ یہ نہ بھولئے کہ آج قرآنی آئین کا شاہدِ مقصود بڑے ہی سستے داموں مل رہا ہے اور سرمایہ آپ کے دامن میں محفوظ ہے۔ اگر اب بھی اس متاعِ عزیز کے حصول کے لئے آگے نہ بڑھے تو پھر آپ سا بدنصیب اور کون ہوگا۔

ان کے چہرے پر پہلی بار غیظ و غضب کی لہر نمودار ہوئی جب انھوں نے بڑے جوش سے کہا۔

یاد رکھیے! اگر ہم آج کچھ نہ کر سکے تو پھر یہ کونشنز منعقد کرنے اور قرآنی آئین کے ریزولیوشن پاس کرنے کا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں۔

پرویز صاحب کے اس اثر آفریں خطاب کے بعد ایوان نے پبلسٹی کمیٹی کے قیام کے لئے قرارداد بالاتفاق منظور کر لی اور چوہدری عبدالرحمن، میاں عبدالخالق اور شیخ محمد شفیع پر مشتمل (میاں عبدالخالق کی صدارت میں) یہ کمیٹی قائم کر دی گئی۔ اسلامی آئین کی نشر و اشاعت کی تمام ذمہ داریاں اس کمیٹی کو سونپ دی گئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ پبلسٹی کمیٹی نزاکتِ حال کے پیش نظر بلاتاخیر اپنا دفتر لاہور میں قائم کرے اور آغازِ کار کر دے۔ تمام اضلاع میں اس مرکزی کمیٹی کے تحت پبلسٹی سب کمیٹیز کا قیام بھی عمل میں لایا جائے۔ اس پاکستان گیر مہم کے اخراجات سے عہدہ برا ہونے کے لئے مسئلہ آخری اجلاس پر ملتوی کر دیا گیا۔

اس فیصلہ کے بعد مرزا علی احمد صاحب اظہارِ خیال کے لئے اسٹیج پر آئے اور انھوں نے لاہور میں باہر کے احباب کے قیام کے لئے بیت القیام کی ضرورت واضح کی۔ اور کالجوں کے طلباء و طالبات میں رابطہ کی تحریک چلانے اور ان کے لئے مناسب لٹریچر کی تقسیم پر زور دیا۔

صدر کونشن کمیٹی چوہدری عبدالرحمن کی تحریک پر فیصلہ ہوا کہ آئندہ سالانہ کونشن اپریل کے پہلے ہفتہ میں لاہور میں منعقد ہو۔

"سب کونشن" کے متعلق طے ہوا کہ حیدرآباد میں اس کے انعقاد اور تاریخوں کا فیصلہ محترم حافظ شاہ صاحب حبیبی ایڈووکیٹ کے مشورے سے کیا جائے۔

پرویز صاحب کی تحریک پر مزید طے ہوا کہ آئین کے سلسلے میں ملکی صورتِ حال کے پیشِ نظر اگر باہمی مشاورت کی فوری ضرورت درپیش ہو تو مذکورہ سب کونشن سے قبل لاہور میں ایک وقتی کونشن طلب کر لی جائے۔

محترمہ شمیم انور صاحبہ کی ایک تجویز کے پیشِ نظر مولانا عبدالرب صاحب نے تحریک کی کہ پرویز صاحب کے سوانح حیات قلمبند کئے جائیں اور یہ ذمہ داری محترم ابو عاکف صاحب (کراچی) کو سونپی جائے۔ ایوان نے اس قرارداد کو دلی مسرت کے ساتھ منظور کیا۔

فیصلہ کیا گیا کہ قرآنی تعلیمات کے سلسلہ میں ایک تعلیمی کمیٹی چوہدری افتخار صاحب کی تجویز کی روشنی میں قائم کی جائے اور چوہدری صاحب اس کے صدر ہوں۔

ایوان نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ آئینی مہم کی اہمیت کے پیشِ نظر تمام توجہات اسی مہم پر مرکوز کر دی جائیں اور دیگر تمام فیصلے جو مختلف تجاویز کی بنا پر زیرِ غور ہیں فی الحال ملتوی کر دیئے جائیں۔

پانچواں اجلاس ـــ مجلسِ استفسارات

۹ اپریل ـــ چار بجے بعد دوپہر مجلسِ استفسارات کی صورت میں کونشن کا پانچواں اجلاس شروع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر حیات ملک کرسیٔ صدارت پر تشریف لاتے ہیں۔ کونشن کے سالانہ اجتماعات میں اس مجلس کو شروع سے ایک خصوصی اور دلپذیر اہمیت حاصل رہی ہے۔ زندگی کے اہم ترین علمی مسائل سے متعلق بڑے دقیق سوالات مفکرِ قرآن کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اور اسلامیات کا یہ عظیم اسکالر قرآنی فکر و بصیرت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے ان کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ اس دفعہ بالخصوص تحریری سوالات کا جو پلندا ان کے سامنے لایا گیا ان میں سے ایک ایک سوال انتہائی دقتِ نظر کا محتاج ہے اور پرویز صاحب اپنے مخصوص انداز میں ایک ایک سوال کا جواب اس حسن انداز سے نکھار نکھار کر پیش کرتے ہیں کہ ایوان وجد میں آجاتا ہے۔ قرآنی فکر و بصیرت کی ان معجز نمائیوں سے ہر طرف بے ساختہ یہ نعرۂ تحسین گونج اٹھتا ہے۔

تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

اور اسٹیج کے پہلو سے ایک فقیرِ بے نوا جذب و مستی کے عالم میں پکار اٹھتا ہے۔

غواصِ محبت کا اللہ نگہباں ہو
ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے گہرائی

استفسارات کی کثرت اور وقت کی کمی کی وجہ سے طے یہ پایا کہ پہلے ان سوالات کو لیا جائے جن کا تعلق زندگی کے عملی مسائل سے ہے اور اس کے بعد نظری مسائل کی باری آئے۔ چنانچہ اول الذکر میں حسب ذیل استفسارات سامنے آئے۔

(۱) ربوٰا اور بیع کی تعریف کیا ہے اور قرآن کی رُو سے ان کے احکام کیا۔

(۲) انشورنس کے متعلق، قرآن کا کیا حکم ہے؟

(۳) خاندانی منصوبہ بندی (FAMILY PLANNING) اور برتھ کنٹرول کے متعلق قرآن کی تعلیم کیا ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہ سوالات آجکل کس قدر اہمیت حاصل کئے ہوئے ہیں۔ لیکن جب اس قرآنی مفکر نے ان کے جوابات دیئے تو دلوں سے شکوک و شبہات کے تمام بادل چھٹ گئے اور اطمینان و سکون کی فضائیں جنتِ قلوب بن گئیں۔ پھر یہ سوالات سامنے آئے۔

(۱) طلوعِ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس کا تعلق کسی فرقے سے نہیں اور نہ ہی یہ خود کوئی نیا فرقہ پیدا کر رہا ہے؟ اس کا ثبوت کیا ہے؟

(۲) طلوعِ اسلام کہتا ہے کہ تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح پڑھتے چلے آرہے ہو اس میں کسی قسم کی جدت پیدا نہ کرو۔ اس میں اور تقلید میں کیا فرق ہے؟

پرویز صاحب نے ان سوالات کا جواب اس حسن و خوبی سے دیا کہ مخالفین تک اس اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ واقعی طلوعِ اسلام اپنے دعوے میں سچا ہے۔

ازاں بعد قرآن کریم کی بعض اہم آیات کے مطالب کی باری آئی۔ پرویز صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں، ان کی تفسیر، لغت اور قرآن سے اس طرح کی کہ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہا۔

یہ محفل اس قدر جذب و انہماک کا رنگ لئے تھی کہ کسی کو محسوس تک نہ ہوا کہ دو گھنٹے گذر گئے ہیں۔ تا آنکہ نمازِ مغرب کی اذان نے اس کے ختم کر دینے کی اطلاع دی۔ اس محفل کی یاد برسوں تک دلوں سے نہ جائے گی۔

افسوس ہے کہ ان سوالات کے جوابات فی البدیہہ دیئے گئے اس لئے ضبطِ تحریر میں نہ لائے جا سکے۔ ورنہ یہ ہمارے لئے بڑی قیمتی متاع ہوتی۔

چھٹا اجلاس

ساڑھے آٹھ بجے شب کے قریب مولانا عبدالمجید کی صدارت میں اس اگلے اجلاس کا آغاز ہوتا ہے تلاوتِ کلامِ پاک اور خلیل مرزا کی نظم کے بعد پرویز صاحب کا درسِ قرآن شروع ہوا۔ عنوان تھا

قرآن کریم کی مستقل اقدار

قارئینِ طلوعِ اسلام اور سامعین درسِ پرویز اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ پرویز صاحب کا قرآنی پیغام اس محور کے گرد گردش کرتا ہے کہ قرآن نے نوعِ انسان کو مستقل اقدار سے روشناس کرایا اور اس طرح ان کے لئے زندگی کی نئی راہ متعین کر دی۔ آج کا درس اسی اجمال کی تفصیل پر مشتمل تھا۔ کونشن کا اجتماع شہر سے بہت دور، ایک الگ بستی کی کھلی فضا میں ہوتا ہے۔ یہ درس

رات کے وقت شروع ہوا۔ اور لوگوں کو اس کا علم تھا کہ یہ نصف شب سے پہلے ختم نہیں ہوگا۔ لیکن پرویز صاحب کے درس قرآن کی کشش کا یہ عالم ہے کہ شہر سے کثیر تعداد میں شمع قرآنی کے پروانے وہاں پہونچے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کہ وہ آدھی رات کے قریب وہاں سے شہر کس طرح واپس آئے؟ لیکن ولولۂ شوق ان موانعات کی پرواہ کب کرتا ہے؟

قریب تین گھنٹے تک بصیرت قرآنی کی گہرباریوں کا یہ سلسلہ وجہ شادابی قلب و نظر بنا رہا۔ جذب وانہماک کا یہ عالم تھا کہ کسی گوشے سے اونچی سانس کی آواز تک نہیں آرہی تھی۔ درس کیا تھا، قرآنی حقائق اور علوم حاضرہ کے افکار کا بے پایاں سمندر تھا جو اپنی تلاطم انگیزیوں سے، ریب وشکوک کے خس وخاشاک کو بہائے لئے جا رہا تھا۔

(پرویز صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس درس کو قلمبند کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اسی اشاعت میں سامنے آجائے یا اس کے بعد کسی اور اشاعت میں۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کی عام اشاعت کی اشد ضرورت ہے)۔

ساتواں اجلاس

۱۰ اپریل کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔ آج کنونشن کا آخری اجلاس شروع ہو رہا ہے اور پرویز صاحب اس آخری اجلاس میں "کیریکٹر کیا ہے؟" کے موضوع پر خطاب فرما رہے ہیں۔ اتوار کی فراغتیں، اس قدر اہم موضوع اور پھر سب سے بڑھ کر پرویز صاحب کا حسن بیان۔ جو دلدادگان گذشتہ شب شہر سے اس دور افتادہ بستی میں ذرائع آمد و رفت کے فقدان کے باوجود کھنچے چلے آئے اور آدھی رات کے قریب واپس لوٹے ان کا ذوق شوق اتوار کی صبح کے اس خطاب سے بے نصیب رہنا کیونکر قبول کرتا۔ چنانچہ جب شیخ محمد شفیع صاحب کی صدارت میں نو بجے اجلاس شروع ہوا تو ایوان کی حاضری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ آخری گوشوں تک کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اور دوسری طرف خواتین کے حلقہ میں بھی یہی کیفیت نمایاں تھی۔

تلاوت کلام پاک کے بعد ایک پرسوز اور اثر آفریں نغمہ ایوان کی فضا میں مرتعش ہوا

آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

خلیل مرزا جذب دستی کی والہانہ نذر حضور رسالت مآب میں پیش کر رہے ہیں!

زباں پہ بارِ الٰہا یہ کس کا نام آیا

فضا کیف وسرمستی کے عالم میں جھومنے لگی اور دل سوز وگداز کے تاثر سے گرما اٹھے۔ یہ آتش نوائی آہستہ آہستہ وقف سکوت ہوگئی لیکن قلب ونظر کو جس دولت سے مالا مال کر گئی وہ سرور انگیز اور لازوال تھی۔

اب پرویز صاحب خطاب کے لئے اپنی مخصوص نشست سنبھالتے ہیں۔ ان کی دلنشیں آواز آہستہ آہستہ فضا میں ابھرتی ہے اور پھر اس ساحرانہ انداز سے گونجنے لگتی ہے کہ سارے ہنگامے اس میں سمو جاتے ہیں۔

کیریکٹر کیا ہے؟ عملی زندگی کا یہ کس قدر اہم موضوع ہے۔ چنانچہ وہ پہلے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہر جگہ یہ چیخ وپکار سنائی دیتی ہے کہ لوگوں میں کیریکٹر نہیں رہا۔ لیکن اگر بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کیریکٹر کا کوئی قطعی اور طے شدہ مفہوم کہیں بھی ذہنوں میں موجود نہیں۔

پرویز صاحب نے پہلے کیریکٹر کے بارے میں مفکرین عالم کے مختلف اور متضاد مفہوم بالتفصیل پیش کئے اور واضح کیا کہ ان عظیم مفکروں میں کیریکٹر کے مفہوم کے متعلق بجائے خود کس قدر اختلاف اور تضاد موجود ہے

پھر انھوں نے ان مبہم تصورات کا خاکہ پیش کیا جو عام افراد کے ذہنوں میں کیریکٹر کے بارے میں جاگزیں ہیں اور اس کے بعد انھوں نے کیریکٹر کے اس جامع اور دوٹوک مفہوم کی تفصیل شروع کی جو قرآنی فکر کی روشنی میں متعین ہوتا ہے۔ انھوں نے گذشتہ شب کی پیش کردہ مستقل قرآنی اقدار کا اعادہ کیا اور واضح کیا کہ ان مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنا اور جہاں ان مستقل انسانی اقدار میں سے کسی ایک قدر کی طبعی زندگی کی اقدار سے (TIE) پڑجائے وہاں اُس کے مقابلے میں طبعی زندگی کی بڑی سے بڑی قدر کو قربان کردینا "کیریکٹر" ہے۔ انھوں نے مزید وضاحت فرمائی کہ دوسرے لفظوں میں انسانی اقدار کے مطابق زندگی گذارنے کا تصور ایمان کہلاتا ہے۔ اور جب ان اقدار کا طبعی اقدار سے مقابلہ ہوجائے تو ان کی حفاظت کے لئے بڑی سے بڑی طبعی قدر (حتیٰ کہ تمام طبعی اقدار) کی قربانی "تقویٰ" قرار پاتی ہے۔

انھوں نے مزید واضح کیا کہ قرآن انسانی زندگی کی مستقل (اور اضافی) اقدار کا تعین کرتا ہے۔ اور پھر ان کی عالمگیر اہمیت کے پیش نظر ان کو بڑی ہی تفصیل کے ساتھ نکھار نکھار کر سامنے لاتا چلا جاتا ہے۔ مقام مومن یہی ہے کہ ان مستقل اقدار کو زندگی کا مرکز ومحور قرار دیا جائے اور جب ان میں سے کسی ایک کی طبعی زندگی کی اقدار سے (TIE) پڑجائے تو طبعی اقدار کو ان پر بے دریغ قربان کردیا جائے۔ اسی سے اس عظیم اور لازوال کیریکٹر کی تعمیر ہوتی ہے جو ایک مومن کی زندگی کا طرۂ امتیاز ہے اور جو اُسے حیات جاوید عطا کرکے زندگی کی آئندہ منازل طے کرنے کا استحقاق بخشتا ہے۔ کیونکہ زندگی طبعی دائروں تک محدود نہیں بلکہ ایک جوئے رواں دواں ہے جس کا مقصود اپنے مراحل ومنازل کو حسن کارانہ انداز سے طے کرتے اور آگے بڑھتے چلے جانا ہے اور یہ مقام کیریکٹر سے حاصل ہوتا ہے جو قرآن کی عطا فرمودہ مستقل انسانی اقدار پر ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔

پرویز صاحب نے کیریکٹر کی یہ تفصیل اس حسین اور حقیقت کشا پیرائے میں بیان کی کہ کیریکٹر کے مفہوم کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کا مقصد اور مردِ مومن کا حقیقی مقام نکھر کر نگاہوں کے سامنے آگیا۔ اور فکر ونظر کی پہنائیوں میں گویا چراغ سے جگمگا اٹھے۔

پرویز صاحب کے اس علم افروز خطاب کے بعد کرسیٔ صدارت سے اعلان ہوا کہ کھلا اجلاس ختم ہوتا ہے۔ معزز مہمان جاسکتے ہیں اور صرف نمائندگان رکے رہیں تاکہ بعض ضروری مسائل کو طے کیا جاسکے۔ اس اعلان کے ساتھ مہمان رخصت ہوگئے اور

اجلاس مجلس نمائندگان میں تبدیل ہو گیا۔

لغات فنڈ قبل اس کے کہ اجلاس میں دقت کی اہم ترین ضرورت کا مسئلہ درپیش ہو، ناظم ادارہ طلوع اسلام مولانا عبد الرب صاحب نے لغات فنڈ کے متعلق ایک ضروری اعلان کیا۔ انھوں نے کہا کہ بعض احباب نے دریافت کیا ہے کہ جن احباب نے لغات فنڈ میں حصہ لیا تھا، کیا انھیں لغات القرآن بلا قیمت دی جائیگی؟ اس سوال پر احباب نے غور کیا ہے۔ یہ رقم لغات القرآن اور مفہوم القرآن کی طباعت کے لئے جمع کی گئی تھی اور ادارہ اسے اسی مصرف میں خرچ کر رہا ہے۔ اس سے پہلی جلد طبع ہوئی ہے اور دوسری جلد طباعت کے لئے پریس میں بھیجی جارہی ہے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ اس فنڈ کو اسی طرح صرف کیا جائے اور معطیان کو لغات القرآن بلا قیمت نہ دی جائے۔ کیونکہ اس سے اس فنڈ میں کمی واقع ہو جائے گی۔ جب اس پورے سلسلہ کی طباعت مکمل ہو جائے اور روپیہ واپس آئے تو پھر کونسل اس کے متعلق آخری فیصلہ کرے۔ اس فیصلہ کے مطابق، لغات القرآن کسی کو بھی بلا قیمت نہیں دی جائیگی۔

جملہ حاضرین نے اس فیصلہ پر صاد کیا۔

مالی تعاون کی اپیل

ایوان کو اب تبلیغی کمیٹی کے اخراجات کے اہم مسئلہ کو طے کرنا تھا۔ چنانچہ صدر اجلاس شیخ محمد شفیع صاحب نے اعلان کیا کہ تبلیغی کمیٹی اسلامی آئین کے سلسلہ میں ایک ملک گیر مہم کا آغاز کر رہی ہے۔ اور اس کے اخراجات کا جو تخمینہ لگایا گیا ہے اسکے مطابق کمیٹی کو پہلے ماہ دس ہزار روپے اور اس کے بعد تا اختتام مہم کم از کم دو ہزار روپے ماہوار کے اخراجات برداشت کرنے ہوں گے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ احباب کے فیاضانہ تعاون کے بغیر یہ کٹھن مرحلہ طے کرنا ممکن نہیں۔ ضرورت ہے کہ آپ احباب دل کھول کر اپنے تعاون کی پیشکش کریں۔

اس اعلان کے بعد احباب کی طرف سے مالی تعاون کی پیشکش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پیشکشوں کا یہ سلسلہ سات ہزار کے لگ بھگ پہنچا تھا کہ پرویز صاحب ایک خردہ جانفزا لئے اسٹیج پر آئے۔ اور انھوں نے اعلان کیا۔

> ہمارے سامنے ایک اہم مرحلہ ہے جس کی کامیابی نہ صرف پاکستان بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لئے پیامِ بہار بن سکیگی۔ لیکن جہاں منزل اتنی کٹھن ہے وہاں ہمارے ذرائع اور وسائل بڑے ہی محدود ہیں۔ اور ایک لحاظ سے ہم اپنے آپ کو بڑی بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں پا رہے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج خدا نے ہمارے لئے اپنی غائبانہ امداد کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اسلام کو اپنے ابتدائی دور میں عثمان غنیؓ جیسے صاحبِ ثروت نصیب ہو گئے جنہوں نے سابقون الاولون کی جماعت کی مالی مشکلات حل کر دیں۔ ہمیں اپنی خوش بختیوں پر ناز کرنا چاہیئے کہ ہمارے لئے بھی خدا نے کچھ ایسا ہی

انتظام کر دیا ہے اور ایک صاحب خیر کو اس پر آمادہ کر دیا ہے جس نے اعلان کیا ہے کہ جتنی رقم کونشن میں وصول ہو گی وہ اسی قدر رقم ملا کر اسے دگنا کر دیں گے۔ پیشتر اس کے کہ وہ شخصیت آپ کے سامنے آئے میں چاہتا ہوں کہ مالی تعاون کے سلسلہ میں آپ مزید فیاضی سے کام لیں تاکہ جس قدر آپ سے ملے اسی قدر اور خود بخود کھنچا چلا آئے۔

یہ اعلان اس قدر مسرت انگیز اور حوصلہ افزا تھا کہ احباب نئے ولولوں سے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے۔ اس مرحلہ پر پرویز صاحب اُس "مردے از غیب" کیلئے اسٹیج پر نمودار ہوئے۔ پاکستان کے امراء کی قطار میں سے یہ پہلا عاشقِ قرآن تھا جو نام و نمود سے بے نیاز ہو کر قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں اس قدر فیاضانہ حصہ لے رہا تھا اور جسے اب پرویز صاحب یوں بے نقاب منظرِ عام پر لے آئے تھے۔ یہ تھی محترم حاجی خیر محمد صاحب پراچہ کی قابلِ تحسین شخصیت۔ اور جب وہ سب کے سامنے آئے تو احباب نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ احباب سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا۔

میں اعلان کرتا ہوں کہ پرویز صاحب سے جو وعدہ میں نے کیا ہے اُسے بخوشی پورا کروں گا۔ یقین رکھئے کہ میری موعودہ رقم آپ کی رقم کے پیچھے پیچھے چلی آئے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ طلوع اسلام کی تحریک کی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ اس تحریک کے بانی، پرویز صاحب نے آج تک اپنی ذات کے لئے ایک پائی بھی تحریک سے نہیں لی۔ بلکہ اپنا وقت، توانائی اور تصانیف، سب اس تحریک کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک کے سلسلہ میں جب بھی مالی امداد کا وقت آتا ہے تو ان کے رفقاء نہایت خلوص، محبت اور کشادہ ظرفی سے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایک سے دوسرا آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اَلوداعی نشست

تین دن کی مسلسل انجمن آرائیوں۔ جوشِ اخوت کے قہقہوں اور وفورِ مسرت کی مسکراہٹوں کے بعد احباب الوداعی مجلس کی صورت میں جمع ہوتے ہیں۔ اب پھر کیف و سرور کی فضائیں ڈوبتی ہوئی یہ انجمن نامعلوم مدت کے لئے بکھر جائے گی۔ غالب کے الفاظ میں

آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے
اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

طلوع اسلام کونشن کا یہ آخری اجلاس بڑی ہی صبر آزما کیفیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جذبات و حیات کی گلفشاں مسکراہٹیں دیکھتے ہی دیکھتے افسردگی اور پژمردگی کی خزاں میں بدل جاتی ہیں۔ جہاں تین دن تک یہ کیفیت رہی کہ

فرش سے تا عرش ایک طوفاں تھا موجِ رنگ کا

اسی ایوان کی تصویر اب یہ تھی کہ

آگ بجھی ہوئی اِدھر۔ ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر

بزمہائے طلوع اسلام اور رضاکاروں کے لئے تبریک و تشکر کی قراردادوں کی صورت میں آخری رسمیں پوری ہوئیں اور اس کے بعد اب پرویز صاحب کے الوداعی پیغام کی باری ہے۔ مسکراتے ہوئے چہرے پر اب افسردگی کا غبار ہے اور اشکوں کو بمشکل پلکوں کے دامن میں سمیٹتے ہوئے وہ اس نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مائیک کے سامنے آتے ہیں ان کی آواز تھرتھرا رہی ہے اور جب اس سوزناک فضا میں وہ بھرائی ہوئی آواز سے رفقائے سفر کو مخاطب کرتے ہیں تو دلوں میں ایک قیامت سی بپا ہو جاتی ہے۔

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت تھا سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

گلوگیر لہجے میں انھوں نے کہا۔

یہ تین دن کتنی تیزی سے گذر گئے۔ ابھی آپ احباب کے آنے کی خوشی پوری نہیں ہوئی تھی کہ الوداعی منظر سامنے آگیا۔

میں پہلے آپ کو پیغام دیا کرتا تھا لیکن اس بار کام دے رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کام کا یہ موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ تھوڑی سی غفلت آپ کو صدیوں پیچھے پھینک دیگی۔ یوں سمجھئے کہ

آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

لہذا اب نیند تو درکنار، کچھ مدت آپ کو اونگھ بھی نہیں آنی چاہیئے۔ آئین کمیشن کے سوالنامہ کے جوابات اور متعلقہ ہدایات بہت جلد آپ تک ہو پہنچیں گی۔ اس لئے ابھی سے اپنے آپ کو تیار کیجئے

زعیم سرحد خان بخت جمال خاں کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا۔

میں "صدر صاحب" سے خاص طور پر اپیل کر رہا ہوں کہ وہ سرحد کی جوشیلی اور مسلم لیگ کے دور کی قربانیوں کو تازہ کر دیں اور اپنی گرمجوشیوں سے میدان میں نکل کر زندگی کی آگ بھڑکا دیں۔ کل تک آپ نے ملک اور اس کی آزادی کے لئے جان لڑائی تھی۔ آج قرآنی نظام کے لئے فضا میں انقلاب سا برپا کر دیجئے۔ صوبہ سرحد کے دلیر نڈر میں مردان کے مردانِ جفاکیش کے کارنامے آج بھی فضا میں گونج رہے ہیں۔ میں انہی مجاہدوں کو آج پھر قرآنی انقلاب کے لئے پکارتا ہوں۔ قرآنی عشق کے دعووں کو سچا ثابت کر دکھایئے۔ دیکھیئے کہ اس کے لئے کام بھی کس قدر آسان ہے۔ آپ آئین پاکستان کے اصولوں کی آواز ہر شخص تک پہنچایئے۔ اس کے بعد جو شخص دل اور دماغ کی کامل رضامندی سے آپ سے متفق ہو، اس سے کہیئے کہ وہ اپنا یہ مطالبہ آئینی کمیشن تک پہنچا دے۔ بس یہ ہے کہنے کا کام۔ سوچئے کہ اگر آج آپ اتنا کچھ بھی نہ کر سکے تو قرآن سے عشق کا دعویٰ کیسے سچا ثابت ہو سکے گا؟ خدا کی نگاہِ کرم اور

اسکی ملکوتی قوتیں آج آپ کا ساتھ دینے کے لئے بے تاب ہیں۔

اس مرحلہ پر پرویز صاحب کے کپکپاتے ہوئے لبوں پر یہ دعا جاری ہو گئی۔

بارالہٰا! تیرے یہ مخلص بندے یہ مقدس آرزوئیں لے کر اٹھے ہیں کہ اس سرزمین پاک میں جو تیرے نام پر حاصل کی گئی تیرے قانون کا تختِ اجلال بچھا دیں۔ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی ان حسین آرزوؤں کو حاصلِ مراد تک پہنچا سکیں اور آئندہ کنونشن میں ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے بغلگیر ہوں۔

اور اس کے بعد انھوں نے احباب پر واضح کیا کہ

یاد رکھیئے! اگر آپ کے عزم و ہمت نے یہ معرکہ سر کر لیا تو تاریخ کے صفحات پر آپ کا نام سورج کی کرنوں سے لکھا جائے گا۔ اور خدا کی کائناتی قوتیں آپ کی کامیابی پر تحسین و آفرین کے پھول برسائیں گی۔

پیغام کیا تھا! خلوص قلب اور سوز و گداز کی دھیمی دھیمی سی آنچ تھی جس نے دلوں کو پگھلا کر رکھ دیا۔

پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

سب کے دلوں میں ذمہ داریوں کا احساس موجزن تھا اور سب کے سینوں میں کچھ کر گذرنے کی تڑپ تلملا رہی تھی۔ پرویز صاحب اسٹیج سے نیچے تشریف لائے اور باری باری سب سے ہم آغوش ہو کر الوداع کہنے لگے۔

ایک بج رہا ہے۔ آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے قوس قزاحی امتزاج میں بالآخر یہ آخری مجلس بھی اختتام پذیر ہے اور تمام احباب رخصت ہونے سے قبل کھانے کی میزوں کا رخ کر رہے ہیں۔

کھانے کے بعد جدائی کا مرحلہ آ گیا۔ چار دن پہلے سب کی آمد آمد کا ہنگامہ تھا اور اب باری باری سب واپس جا رہے ہیں سب کے میزبان چوہدری عبدالرحمٰن رحمن کے بہترین ہاؤس میں یہ سالانہ کنونشن آراستہ ہوتی ہے، ایک گوشے میں دم بخود کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ جن ستاروں کا انتظار انھوں نے عید کے چاند کی طرح کیا تھا ان ستاروں کی تنک تابی اب طلوعِ سحر کا سراغ دے رہی ہے۔ کتنا اثر انگیز ہے یہ منظر ایسے میزبان کے لئے۔ ان کی افسردہ نگاہیں گویا پکار پکار کر کہہ رہی ہیں

تم ماہِ شبِ چار دہم تھے میرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

اور واقعی یہ نقشہ اپنے پیچھے بہت سی یادیں چھوڑ گیا۔ ایک سال بعد پھر اسی فضا میں یہ ہنگامے جاگ اٹھیں گے۔ کتنی ہی محفلیں ہیں جو آراستہ ہوتی ہیں اجڑنے کے لئے۔ اور کتنی ہی انجمنیں ہیں جو اجڑتی ہیں پھر آراستہ ہونے کے لئے۔ یہ محفل پھر آراستہ ہوگی۔ بار بار آراستہ ہوگی۔ اس کا سلسلہ دراز اقطار السمٰوات والارض تک پھیلے گا۔ جہاں تک کہ اس کا قیام قرطاسِ وقت پر ثبات و دوام اختیار کر جائے گا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

قرار دادیں

جو طلوع اسلام کنونشن نے مختلف نشستوں میں منظور کیں۔

قرارداد (۱) محرک مولانا عبدالرب صاحب، ناظم ادارہ طلوع اسلام۔

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس رفیق عزیز فضل محمد سجانی مرحوم کی حسرت ناک وفات پر دلی رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم کی وفات سے طلوع اسلام کی قرآنی تحریک کو بالعموم اور محترم پرویز صاحب کو بالخصوص جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی مشکل ہے۔ یہ اجلاس بارگاہِ رب العزت میں دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے

قرار پایا کہ اس کی نقول مرحوم کے صاحبزادگان اور محترم پرویز صاحب کی خدمت میں ارسال کی جائیں۔

قرارداد (۲) محرک مولانا عبدالرب صاحب

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس چوہدری عبدالرحمٰن صاحب صدر کنونشن کمیٹی کے والد بزرگوار چوہدری محمد یٰسین مرحوم کی وفات پر دلی تاسف کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم کنونشن کے انتظامات میں جس خلوص اور جواں ہمتی سے حصہ لیا کرتے تھے آج اس کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت عطا فرمائے اور پسماندگان کو توفیق صبر۔

قرار پایا کہ اس قرارداد کی ایک نقل مرحوم کے صاحبزادگان کی خدمت میں روانہ کی جائے۔

قرارداد (۳) محرک میاں عبدالخالق صاحب (کراچی)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس محترم صدر مملکت پاکستان سے استدعا کرتا ہے کہ پاکستان کے مجوزہ آئین کی پہلی اور بنیادی شق یہ ہونی چاہیئے کہ مملکت پاکستان اپنے جملہ امور قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے سرانجام دیگی اور مملکت میں کوئی ایسا قانون باقی نہیں رکھا جائے گا نہ نیا نافذ کیا جائے گا جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔

قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقول محترم چیئرمین پاکستان کانسٹی ٹیوشن کمیشن کی خدمت میں اور اخبارات کو ارسال کی جائیں۔

قرارداد (۴) محرک میاں عبدالخالق صاحب (کراچی)

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس محترم چیئرمین کانسٹی ٹیوشن کمیشن کی خدمت میں یہ سفارش پیش کرتا ہے کہ پاکستان کا مجوزہ آئین قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق ان خطوط پر مرتب کیا جائے جنہیں قرآنک ریسرچ سنٹر لاہور کے ڈائرکٹر محترم پرویز صاحب نے طلوع اسلام کنونشن میں پیش کیا اور جس کی دس کاپیاں اس استدعا کے ساتھ ارسال خدمت کی جاتی ہیں کہ انھیں کمیشن کے ممبروں

کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

قرار پایا کہ اس قرارداد کی ایک نقل محترم صدر مملکت پاکستان کی خدمت میں ارسال کی جائے۔

قرارداد (۵) محرک عبداللطیف نظامی صاحب۔

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس حکومت پاکستان کو درخور مبارکباد سمجھتا ہے کہ اس نے عائلی کمیشن (میرج لاز کمیشن) کی سفارشات کو جن میں یتیم پوتے کے حق وراثت کا تسلیم کرنا بھی شامل ہے منظور کر کے ملت کے ایک اہم تقاضا کو پورا کرنے کی طرف اقدام کیا ہے اگرچہ عائلی کمیشن کی یہ سفارشات بالکلیہ قرآن کے مطابق نہیں تاہم موجودہ قوانین شریعت کے مقابلہ میں قرآنی تعلیم سے قریب تر ہیں حکومت سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ان سفارشات کو جلد از جلد قانونی شکل دے کر ملک میں نافذ کرے تاکہ مظلوم طبقہ کی دادرسی میں مزید تاخیر نہ ہو۔ نیز یہ کنونشن امید رکھتی ہے کہ حکومت رفتہ رفتہ تمام مروجہ قوانین کو قرآن کے مطابق مرتب کرنے کے لئے جلد از جلد ضروری اقدامات کریگی۔

قرار پایا کہ اس قرارداد کی ایک ایک نقل

(۱) محترم صدر مملکت پاکستان۔ اور

(۲) سکریٹری منسٹری آف لاز حکومت پاکستان

کی خدمت میں بھیجی جائے۔

نیز قرار پایا کہ اس کی نقول اخبارات میں بھیجی جائیں۔

قرارداد (۶) محرک مولانا عبدالرب صاحب

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس کنونشن کے انتظامات کے روح رواں محترم چوہدری عبدالرحمٰن صاحب صدر کنونشن کمیٹی کی خدمت میں کنونشن کے اعلیٰ انتظامات پر دلی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے اور اپنے اس احساس کا اظہار کرتا ہے کہ چوہدری صاحب کی مساعی جمیلہ نے اس اجتماع کو فی الواقع ایک ملی تقاریب کی حیثیت دیدی ہے۔ یہ اجلاس چوہدری صاحب کے علاوہ ان کے جملہ رفقائے کار اور معاونین کی خدمت میں بھی دلی ہدیہ تشکر پیش کرتا ہے جن کے تعاون سے کنونشن کو اس قدر کامیابی ہوئی ہے۔ قرار پایا کہ اس قرارداد کی ایک نقل چوہدری عبدالرحمٰن صاحب کی خدمت میں بھیج کر استدعا کی جائے کہ وہ اسے اپنے رفقائے کار کی خدمت میں بھی پیش کر دیں۔

قرارداد (۷) محرک مولانا عبدالرب صاحب۔

طلوع اسلام کنونشن اس اجتماع کی ایسی نمایاں کامیابی پر جملہ بزم ہائے طلوع اسلام کو مبارکباد پیش کرتا ہے جنھوں نے کنونشن کے انعقاد میں اس قدر دلچسپی کا ثبوت دیا اور دور دراز مقامات سے اپنے نمائندگان کو کنونشن میں شرکت کیلئے بھیجا۔ نیز تمام نمائندگان اور احباب کا شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے کنونشن کو کامیاب بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

قرارداد (۸) محرک چوہدری عبدالرحمٰن صاحب صدر کنونشن کمیٹی۔

طلوع اسلام کنونشن اپنی اور کنونشن کمیٹی کی طرف سے ان تمام رضاکار حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے شب و روز محنت اور مستعدی سے اپنے فرائض کو حسن کارانہ انداز سے سرانجام دیا۔ قابل مبارکباد ہیں وہ بزمیں جنھوں نے ایسے اچھے رفقاء کا تعاون کے لئے انتخاب کیا۔

قرارداد (۹) محرک مولانا عبدالرب صاحب

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس ضروری سمجھتا اور فیصلہ کرتا ہے کہ اپنی اس قرآنی تحریک کے قائد اور روح رواں محترم پرویز صاحب کے سوانح حیات کو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معمارِ حرم

باز بہ تعمیرِ جہاں خیز!
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

محترم پرویز صاحب کی تقریر جس سے اُنھوں نے طلوعِ اسلام
کی چوتھی سالانہ کنونشن (منعقدہ ۸۔۹۔۱۰ اپریل ۱۹۶۰ء) سے خطاب کیا۔

شائع کردہ:۔ ادارہ طلوعِ اسلام لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قافلۂ بہار کے

طائرانِ پیش رس

کے نام[1]

آنچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام دانی کہ چیست؟
یک چمن گُل۔ یک نیستاں نالہ۔ یک خمخانہ مے

ہم نفسانِ چمن! سلام و رحمت۔

جشنِ نزولِ قرآن کے فوری بعد آپ احباب کا یہ اجتماعِ نور و نکہت، ہزار مسرتوں کا موجب اور لاکھوں نشاط آفرینیوں کا باعث ہے۔ "بہترین ہاؤس" کی رقص آور فضا جھوم جھوم کر کہہ رہی ہے کہ

یہ کون آیا بزمِ گُل دیاسمن میں
کہ شادابیاں جاگ اٹھیں چمن میں

میں اس تقریبِ سعید پر تمام احباب کی خدمت میں دلی ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں۔ اس قسم کے اجتماعات

---

[1] قافلۂ بہار را طائرِ پیش رس نگر — آنکہ بخلوتِ قفس گفت پیامِ خویش را

فی الحقیقت میری آرزوؤں کو حیاتِ تازہ اور میرے ولولوں کو حرارتِ نو عطا کر دیتے ہیں۔ اس کے لئے میں آپ احباب کا بصمیم قلب سپاس گذار ہوں۔

برادرانِ عزیز! ہمارے نقطۂ نگاہ سے اس سال کا اہم ترین واقعہ، کانسٹی ٹیوشن کمیشن کا تقرر ہے جو مملکتِ پاکستان کے لئے دستورِ نو کی سفارشات پیش کرے گا۔ قریب ڈیڑھ سال قبل، عسکری انقلاب نے، سابق آئین کو کالعدم قرار دینے کے لئے جو تخریبی قدم اٹھایا تھا، وہ اس تعمیری پروگرام کی تمہید تھا۔ اس کمیشن کے تقرر سے مملکت کے تعمیری پروگرام کی ابتدا ہوتی ہے۔ تشکیل پاکستان کے بعد جب دستور سازی کا کام ہاتھ میں لیا گیا تو یہ فریضہ مجلسِ آئین ساز کے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ مجلس، افرادِ مملکت کی صحیح نمائندہ نہیں تھی اس لئے دستور سازی کے سلسلہ میں ملّتِ پاکستانیہ کا عمل دخل بھی کچھ نہیں تھا۔ حالیہ آئینی کمیشن نے اعلان کیا ہے کہ وہ ایک سوالنامہ جاری کرے گا جس کی رُو سے باشندگانِ مملکت کے خیالات معلوم کئے جائیں گے کہ وہ ملک میں کس قسم کا آئین چاہتے ہیں۔ وہ سوالنامہ ابھی تک جاری نہیں ہوا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ استصوابِ آراء کو محض اصولوں تک محدود رکھا جائیگا یا اس میں مجوزہ آئین کی تفاصیل بھی آجائیں گی۔ لیکن اگر وہ صرف اصولوں تک بھی محدود ہوا تو بھی وہ ہمارے مقصدِ پیشِ نظر کے لئے کافی ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مملکت کا آئین قرآنی خطوط کے مطابق مرتب ہو۔ اور قرآن کریم وہ غیر متبدل اصول دیتا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے، تفاصیل خود متعین کی جا سکتی ہیں۔ اس لئے، اگر ہمارا مجوزہ آئین، قرآنی اصولوں کے مطابق ہو، تو تفاصیل کے متعلق تشویش کی چنداں ضرورت نہیں ہوگی۔

مملکت میں آئین کی اہمیت کیا ہوتی ہے اس کے متعلق کچھ کہنا تحصیلِ حاصل ہے۔ آپ احباب ان امور سے بخوبی واقف ہیں۔ مملکت کا آئین افرادِ مملکت کے لئے رگِ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا تعلق موجودہ نسل ہی سے نہیں ہوتا، آنے والی نسلیں بھی اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ یہ اہمیت تو عام آئین کی ہوتی ہے۔ قرآنی آئین کی اہمیت اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جو مملکت قرآنی آئین کے مطابق متشکل ہو، وہ ساری دنیا کے لئے "ماڈل اسٹیٹ" بن جاتی ہے۔ وہ اقوامِ عالم کو محسوس انداز سے بتاتی ہے کہ جب انسانوں کی تمدنی زندگی قرآن کے قالب میں ڈھل جائے تو دنیا کس طرح جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے —— اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان —— کہ اگر پاکستان میں قرآنی آئین رائج ہو گیا تو اس کے درخشندہ و تابناک نتائج کو دیکھ کر، دنیا بھر کی قومیں اپنا اپنا نظام چھوڑ کر، اس نظام کی طرف لپک کر آئیں گی اور چشمِ فلک ایک بار پھر یدخلون فی دین اللہ افواجا کا جنت نگاہ نظارہ دیکھ لے گی اور اس حقیقت کا تماشا کرے گی کہ

اٹھا جو مینا بدستِ ساقی رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی
تمام میکش پکار اٹھے۔ یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

اس وقت مملکت پاکستان جس نازک ترین دور سے گذر رہی ہے ہر قلبِ حساس اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مملکتِ پاکستان ہی پر کیا موقوف ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی مملکتیں بھی جس کرب و اذیت میں مبتلا ہیں وہ کوئی پوشیدہ راز

نہیں۔ مصائب و مشکلات کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ اطمینان کی زندگی کسی کو بھی میسر نہیں۔ پاکستان کے ارباب حل وعقد حالات کو سازگار بنانے کیلئے امکان بھر کوشش کر رہے ہیں، لیکن انھیں قدم قدم پر کہنا پڑتا ہے کہ ــــ سینہ تمام داغ داغ، پنبہ کجا کجا نہم۔ معاشرہ میں خرابیاں اس درجہ عام ہو چکی ہیں کہ ان کا علاج مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن ان خرابیوں کا علاج الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان سب کا بنیادی حل ایک ہی ہے۔ چیچک کے مریض کی ہر پھنسی پر مرہم لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے ایسی دوائی دی جاتی ہے جس سے مرض کے جراثیم کا خاتمہ ہو جائے۔ انسانی معاشرہ کے جراثیم کا علاج شافی مطلق کے تجویز کردہ نسخہ سے ہو سکتا ہے۔ ہم پاکستان کے ارباب بست وکشاد کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ مملکت میں قرآنی آئین کو نافذ کریں اور پھر دیکھیں کہ اس دوائی کی ایک خوراک سے چیچک کی ہزاروں پھنسیاں کس طرح خود بخود معدوم ہو جاتی ہیں۔ نزول قرآن کے زمانے میں انسانی معاشرہ میں جو حالت ہو چکی تھی، اس کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۳۰/۴۱) خشکی اور تری میں، سب جگہ فساد ہی فساد برپا تھا۔ کوئی شے اپنے صحیح مقام پر نہیں تھی۔ نبی اکرم نے ان خرابیوں کا الگ الگ علاج نہیں کیا۔ آپ نے ایک مملکت قائم کی اور اس میں قرآنی آئین نافذ کر دیا۔ اور وہ تمام خرابیاں خود بخود دور ہو گئیں بلکہ انسانیت نے کامرانیوں اور شادکامیوں کی ایسی پر بہار زندگی دیکھی جس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ رسول اللہ کی یہی سنت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ مملکت میں قرآنی آئین نافذ ہونے دو اور پھر دیکھو کہ اس چمن خزاں دیدہ پر کس طرح بہاریں نچھاور ہوتی ہیں۔

کرو نہ کچھ فکر جام ساقی، بہار آنے تو دو چمن میں
گلوں سے ٹپکے گا رنگ مستی، ہو اگر گی شراب پیدا!

كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (۲/۷۳)

لیکن برادران عزیز! اس باب میں سب سے بڑی ذمہ داری آپ کے اوپر عاید ہوتی ہے۔ اس وقت پاکستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں، قرآنی آئین کے مطالبہ کی آواز صرف آپ حضرات کی طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ یہ سعادت عظمیٰ مبداء فیض نے آپ کے حصے میں لکھ رکھی تھی۔ لیکن فطرت اپنی گہرباریاں بلاقیمت نہیں کیا کرتی۔ وہ اس کے لئے بڑی مشقت مانگتی ہے۔ وہ جس خوش بخت انسان کا سینہ قرآنی حقائق کے لئے کھولتی ہے اس پر ذمہ داریوں کا ایسا بار گراں ڈالتی ہے جس سے اس کی کمر ٹوٹ جائے۔ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ (۹۴/۱-۳) اسی اجمال کی تفسیر ہے اور اس کے لئے اصول یہ ہے کہ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۹۴/۵-۶) آسانیاں مشکلات کے بعد پیدا ہو سکتی ہیں۔ جس قدر مشکلات سخت تر اسی قدر آسانیاں نزدیک تر۔ یہ وہ راہ عشق ہے جس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

اُدھر دشواریاں راہ طلب کی بڑھتی جاتی ہیں   اِدھر دل کو یقین قرب منزل ہوتا جاتا ہے

اس راہ میں جس قدر مراحل سخت ہوں، اُسی قدر رفتار کو تیز کر دینا ہوتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ

نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خواں چوں محمل را گراں بینی

لیکن اس میں دشواری یہ ہے کہ یہاں خالی جذبات سے کام نہیں چلتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جذباتی انسان اس تحریک کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم نے اس منزل کو اَلْعَقَبَۃ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی پہاڑ کی اونچی گھاٹی پر چڑھنا۔ گھاٹی پر چڑھنے کے لئے جذبات کا صرف ایک ہی مقام ہوتا ہے۔ یعنی اس بات کا عزم راسخ کر لینے اس چوٹی کو سر کرنا ہے۔ اس کے بعد نہایت صبر آزما اور ہمت طلب مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ راستہ قدم قدم چل کر طے کیا جاتا ہے۔ بھاگ کر کوئی بھی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے اس میں جذبات کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ ہمت، استقلال، استقامت، ضبط خویش ہی وہ سازِ دیراق ہے جس سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اس سفر میں یہ خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیئے کہ یہ منزل میری زندگی میں طے ہو جائے گی۔ قرآنی معاشرہ ہماری آنکھوں کے سامنے متشکل ہو جائیگا۔ اس باب میں اور تو اور انسانیت کے قافلۂ شوق کے میرکارواں حضور رسالتمآبؐ سے بھی کہہ دیا گیا تھا کہ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ جن باتوں کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ آپ کی زندگی میں سامنے آ جائیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی وفات اس سے پہلے ہو جائے فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (۱۳/۴۰) آپ کے ذمے صرف اس پیغام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔ یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم دیکھیں کہ (ہمارے قانون کے مطابق) اس جدوجہد کا نتیجہ کب ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس جہادِ مسلسل کا ظہور نتائج، نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ میں شروع ہو گیا تھا لیکن حضورؐ کے رفقائے سفر میں بہت سے ایسے تھے جنہوں نے اس جنتِ ارضی کو اپنے سامنے متشکل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ ان کے حصے میں قربانیاں ہی قربانیاں تھیں، جن کی آخری منزل خود ان کی جان کی قربانی تھی۔ یہ حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اپنی محنت کا ثمر اپنی طبعی زندگی میں نہ دیکھ سکے لیکن بارگاہِ خداوندی میں ان کے مدارج و مراتب اُن سے کہیں بڑھ کر تھے جو اس جدوجہد میں بعد میں شریک ہوئے اور انہوں نے اس جنتی معاشرہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ارشادِ خداوندی ہے لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ۔ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا (۵۷/۱۰) تم میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے فتح کے پہلے، اس راہ میں مال خرچ کیا اور اپنی جانیں لڑائیں۔ دوسرا وہ ہے جنہوں نے فتح کے بعد ایسا کیا۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اوّل الذکر السابقون الاولون (۹/۱۰۰) کا گروہ ہے جس کے مدارج بہت بلند ہیں۔

لہٰذا برادرانِ عزیز! آپ کو اس سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ راستہ بہت طویل اور منزل بڑی کٹھن ہے۔ آپ کے دل میں اس قسم کے خیالات نہیں آنے چاہئیں کہ ہمیں کوشش کرتے اتنا عرصہ ہو گیا۔ اس کا کوئی نتیجہ ہمارے سامنے

ابھی تک نہیں آیا۔ ہماری زندگی اگر اسی میں ختم ہو گئی تو ہمیں کیا حاصل ہوا؟ اگر آپ کے دل میں کبھی اس قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے قرآنی تحریک کو سمجھا ہی نہیں۔ اس میں "السابقون الاولون" کے حصے میں محنت اور مسلسل محنت مشقت اور پیہم مشقت ہوتی ہے۔ انھوں نے قرآنی فکر کی فصل بوئی ہوتی ہے۔ اس کی کٹائی معلوم نہیں کس کے حصے میں آئے! باقی رہا یہ کہ اس مسلسل محنت سے ہمیں کیا ملے گا تو یہ بات ذہنی طور پر سمجھنے اور سمجھانے سے کہیں زیادہ قلبی طور پر محسوس کرنے کی ہے جو لوگ اس کا احساس رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حق و صداقت کے راستے پر چلنے کا صلہ کیا ہوتا ہے؟ انھیں تو جو لذت راستہ چلنے میں ملتی ہے وہ حصول منزل میں بھی نہیں ملتی! یہی وہ لذت ہے جس سے محظوظ ہو کر وہ پکار اٹھتے ہیں کہ

طپیدن و نرسیدن چہ لذتے دارد
خوشا دلے کہ بدنبالِ محمل است ہنوز

نصب العین کی صداقت پر ایمان۔ راستہ کے مستقیم ہونے پر یقین۔ اور ہم آہنگ و ہم نظر رفقائے سفر کی معیت! اس سے زیادہ صلہ اور کیا چاہیئے؟

مشو اے غنچۂ نورستہ دلگیر　　　ازیں بستاں مراد دیگر چہ خواہی
لب جو، بزم گل، مرغ چمن سیر　　　صبا، شبنم، نوائے صبحگاہی

ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۳/۱۴)۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى (۸۷/۱۷)۔

رفیقانِ محترم! جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، یہ وقت آپ کے لئے کڑے امتحان کا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ آئینی کمیشن اپنی سفارشات کی ترتیب میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔ اس لئے آپ کے پاس وقت تھوڑا اور کام بہت زیادہ ہے۔ پروگرام آپ کے سامنے یہ ہے کہ قرآنی فکر کو زیادہ سے زیادہ عام کیجئے۔ میں نے قرآنی آئین کے اصولوں کو الگ مرتب کر دیا ہے۔ اسے میں دوسری نشست میں آپ کے سامنے پیش کرنے والا ہوں۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ اس پمفلٹ (اور اس سے متعلق دوسرے پمفلٹوں) کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچائیں۔ پھر جو لوگ علی وجہ البصیرت اور بطیب خاطر آپ سے متفق ہوں، ان سے کہیں کہ وہ آئینی کمیشن کے سوالنامہ کے جواب میں مطالبہ کریں کہ ہم پاکستان میں اس انداز کا قرآنی آئین چاہتے ہیں۔ آئینی کمیشن کے بعد یہی مطالبہ ارباب حکومت کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اگر یہ آواز پاکستان کے اطراف و جوانب سے آئینی کمیشن اور ارباب حکومت تک پہنچ جائے تو آپ کی کامیابی یقینی ہے۔ یہ جمہوری دور ہے۔ اس میں جمہوری اور آئینی طریق پر جو قدم اٹھایا جائے گا، نتیجہ خیز ہو کر رہے گا۔ مجھے اس پیغام کی صداقت پر اس قدر اعتماد ہے کہ میں گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ

شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی

اس ضمن میں ایک اور چیز بھی قابل غور ہے۔ جیسا کہ آپ نے طلوعِ اسلام کی سابقہ اشاعت کے لمعات میں دیکھا ہوگا، دنیا سے

اب انسانوں کے خود ساختہ مذہب کا دور ختم ہو رہا ہے۔ زمانے کے تقاضے ہر اس تصورِ حیات اور نظریۂ زندگی کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں جو ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ پاکستان بھی اس فضا سے غیر متاثر نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی کا اثر ہے کہ ہمارے ہاں کا (بالخصوص) نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے متنفر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اگر اس وقت، ان تک قرآن کی آواز پہنچ گئی تو وہ مذہب کو چھوڑ کر خدا کے دین کی طرف آ جائیں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو وہ دہریت اور کمیونزم کے آغوش میں چلے جائیں گے۔ اس کا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔ اس نقطۂ خیال سے بھی دیکھئے تو اس وقت قرآنی فکر کا عام کرنا اشد ضروری ہو چکا ہے۔ اس وقت، اس اجتماع میں، میرے سامنے کئی احباب ایسے ہیں جن کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر ان کے سامنے قرآنی فکر نہ آتا تو وہ مذہب سے برگشتہ ہو کر معلوم کہاں پہنچ چکے ہوتے!

نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ میخانہ
تو ٹھکرائے ہوئے انساں خدا جانے کہاں جاتے

لہٰذا برادرانِ عزیز! ان مذہب گزیدہ نوجوانوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی آپ پر عاید ہوتی ہے۔ آپ کے سوا کوئی اور جماعت ایسی نہیں جو خالص دینِ خداوندی کی طرف دعوت دیتی ہو ——— اور یہ چیز ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں۔

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است — نہ با ہر کس محبت سازگار است
بروید لالہ با داغِ جگر دار — دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است

قرآن کی طرف دعوت دینا تو ایک طرف، ہمارے ہاں ابھی تک (بہ فیضِ اجارہ دارانِ "مذہب") اکثریت ان لوگوں کی ہے جو خالص قرآن کی آواز سننا تک گوارا نہیں کرتے۔ ان کی طرف جائیے تو وہ دور سے کہہ دیں گے کہ

ہمیں سکون میسر ہے، ظلمتِ شب میں
ہمارے سامنے نورِ سحر کا ذکر نہ کر

لیکن چمگادڑوں کی چیخ پکار سے طلوعِ آفتاب نہیں رکا کرتا۔ وہ اپنے وقت پر وجہِ تابانیٔ عالم بن کر رہتا ہے۔ وقت کے تقاضے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ رات کی تاریکیاں چھٹنے کو ہیں۔ طلوعِ سحر قریب ہے۔ اب

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
گذر گیا اب وہ دَور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنے گا سارا جہان مے خانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۶۱/۸﴾

عزیزانِ من! جب میں کہتا ہوں کہ دنیا میں اب "مذہب" کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے تو یہ ـــــ حقیقت ہے، نہیں میرے تصوّر کی یہ خلاقی ـــــ (یاد رہے کہ مذہب سے میری مراد، انسانوں کے خود ساختہ تصورات و معتقدات ہیں، نہ کہ خدا کا عطا فرمودہ دین)۔ تاریخِ عالم یہ تو بتاتی ہے کہ اگر کسی جگہ کبھی ایک مذہب کا اثر کم ہوا تو اس کی جگہ کسی دوسرے مذہب نے لے لی لیکن نفسِ مذہب کی طرف سے تنفّر، اور وہ بھی اس قدر وسیع اور عالمگیر پیمانے پر، اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ مذہب سے عالمگیر تنفر اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کا ذہن اب عہدِ طفولیت سے نکل کر عالمِ شباب کی طرف آ رہا ہے۔ اس لئے اب اسے نہ تو ہمات کے چھلاوؤں سے ڈرایا جا سکتا ہے اور نہ موہوم امیدوں کے کھلونوں سے بہلایا۔ اب یہ ہر دعوے کی صداقت کے لئے دلیل و برہان مانگے گا اور اسے علم و بصیرت کی رُو سے تسلیم کرے گا۔ اب اسے اس قسم کی کمزور دلیلیں مطمئن نہیں کر سکیں گی کہ فلاں راستے پر اس لئے آنکھیں بند کر کے چلتے جاؤ کہ تمہارے آباؤ اجداد اسی راستے پر چلتے آئے ہیں، اور فلاں کام اس لئے کرو کہ ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اب "ابنِ آدم" جوان ہو رہا ہے۔ اب یہ سنِ رُشد کو پہنچ رہا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اب عالمگیر پیمانے پر انسانوں کے خود ساختہ مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ مذہب پرست طبقہ کے لئے یہ انقلاب فی الواقعہ پیغامِ فنا ہے۔ اس لئے ان کا شور و شیون اور آہ و نالہ قابلِ فہم ہے۔ لیکن یہی بات خدا کے عطا فرمودہ الدّین کے حامیوں کے لئے مقامِ جشن و مسرت ہے۔ اس لئے کہ مذہب کا زوال، دین کے فروغ کی، اور قدامت پرستی کی موت، حق پرستی کی حیات کی نشانی ہے۔

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی

تیمارداران مذہب کے چہرے کی اُڑی ہوئی ہوائیاں اور پراگندہ بال۔ ان کا بات بات پر جھنجلا اُٹھنا اور ہوش و سکون کھو بیٹھنا، اس حقیقت کے غماز ہیں کہ اب انہیں بھی مریض کے جانبر ہونے کی امید نہیں اور وہ کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے اور خاموشی ہی خاموشی میں کہہ رہے ہیں کہ

ہاں خدا کی خدائی برحق ہے
پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

دوسری طرف یہی علامات متبعینِ دینِ خداوندی کے لئے نشید کامرانی اور نوید تابانی ہیں۔ وہ جب ان حالات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو بلا تامل اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ

یہ ڈوبتے تارے، یہ فسردہ سا رخِ ماہ
آثار بتلاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی

مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ دنیا اب اس نئے دَور میں داخل ہونے کے قریب ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا تھا کہ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۸۳/۶) "جب پوری انسانیت خدا کی ربوبیتِ عالمین کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی"۔ وَالْأَمْرُ

يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ (۸۲/۱۹)، اور جب حکم صرف خدا کا چلے گا۔ اور کسی کا نہیں۔ یہی وہ دور ہے جس کی آمد کی علامات کو بھانپ کر ابلیس نے اپنے مشیروں سے کہا تھا کہ[1]

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر — حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے — نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف — منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب — پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

یہی وہ خوف تھا جس سے ڈر کر اس نے اپنے مریدوں سے کہا تھا کہ

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب — یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے — یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

اس نے کہا تھا کہ یاد رکھو!

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات — ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات

اس کے لئے اس نے پروگرام یہ تجویز کیا تھا کہ تم اس قسم کے مسائل کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دو اور ہر محراب و منبر سے انہیں دہراتے چلے جاؤ کہ

ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے — ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے — یا مجدد، جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات
کیا مسلماں کے لئے کافی نہیں اس دور میں — یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات

اور ان سے تاکید کی تھی کہ

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے — تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

اس نے پھر اپنے اس خدشہ کو ظاہر کیا اور کہا کہ

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

لہٰذا

---

[1] ارمغانِ حجاز (علامہ اقبالؒ)۔ ابلیس کی مجلسِ شوریٰ۔

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

لیکن اب آپ دیکھئے کہ "ابلیس" کی یہ تمام تدابیر کس طرح ناکام ہوتی چلی جا رہی ہیں اب کسی کو ان مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ
ابنِ مریم مرگیا یا زندۂ جاوید ہے؟

اس لئے اب آپ کو محراب و منبر سے یہ آوازیں سنائی نہیں دیں گی۔ اب زمانہ، زندگی کے عملی مسائل کا حل چاہتا ہے۔ اور زندگی کے عملی مسائل کا حل قرآن کریم کے علاوہ اور کہاں سے مل سکتا ہے؟ یہ وجہ ہے کہ اب ملا بھی مجبور ہو رہا ہے کہ اپنے مواعظ و خطبات میں قرآن کی باتیں کرے۔ آپ مختلف مساجد میں خطبات سنیں۔ آپ کو یہ انداز قریب قریب ہر جگہ ملے گا کہ اول و آخر طلوع اسلام کو گالیاں دی جائیں گی اور خطبہ کا سارا متن طلوع اسلام کے کسی مقالہ پر مشتمل ہوگا۔ طلوع اسلام کو گالیاں اس لئے دی جاتی ہیں کہ ان حضرات کا غرور نفس اور جھوٹی عزت کا احساس انہیں اعترافِ حقیقت کی طرف آنے نہیں دیتا۔ قرآن کے الفاظ میں وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (۲/۲۰۶) جب اس سے کہا جاتا ہے کہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو تو غرورِ نفس اس کا دامن پکڑ لیتا ہے اور صحیح راستہ کی طرف جانے نہیں دیتا۔ قرآن کریم کی یہ جھوٹ و مخچم کا انھیں چسکا پڑ چکا ہے۔ نیز ہر طرف سے مانگ بھی اُسی کی ہے۔ اس لئے یہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتے لیکن کھلے بندوں شریک شغل ہونے کی اپنے اندر جراءت بھی نہیں پاتے۔ ان کی کیفیت کچھ ایسی ہے کہ

پہلے تو کمسے کے شیخ نے دیکھا ادھر اُدھر
پھر سر جھکا کے داخلِ میخانہ ہو گیا

بلکہ اس سے بھی حسین تر انداز میں یوں کہ

حیا بگوشۂ آں چشمِ مست جا کردہ
چوں زاہدے کہ بہ بزمِ شراب می آید

لیکن برادرانِ عزیز! زمانے کے تقاضے اگر مذہب کا تاریک دور ختم کر رہے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ حضرات کی کوششیں سرد پڑ جائیں۔ بالکل نہیں۔ اس کے برعکس یہی وقت تو آپ کی کوششوں کو تیز تر کرنے کا ہے۔ دیکھئے! قرآن کریم اس حقیقت کو کیسے دلکش اور بلیغ انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ خوشگوار نظریہ حیات میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ بلند ہوتا جائے۔ یہ کچھ خدا کے قانونِ کائنات سے ہوتا ہے جسے عام طور پر زمانے کے تقاضے کہا جاتا ہے۔ لیکن، جیسا کہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے، قانونِ کائنات کی رفتار بڑی سست ہوتی ہے۔ " خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔" اس لئے اس آیت کے بعد کہا کہ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (۳۵/۱۰)۔ انسانوں کے اعمالِ صالحہ اس نظریہ کو اوپر اٹھاتے ہیں۔ جب انسانی ہاتھ، کائناتی قوانین کو سہارا دیتے ہیں تو ان

کی رفتار اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ یہ فضائے بسیط اُرہ یک گام سے زیادہ کچھ نہیں رہتی اور ہر دیکھنے والا پکار اُٹھتا ہے کہ

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

لہٰذا اے ظلمتِ شب میں قندیل بردارانِ پیامِ قرآنی! قدم بڑھاؤ کہ نشاناتِ منزل سامنے ابھرتے چلے آرہے ہیں ایک دنیا تمہارے پیغام کے لئے گوش بر آواز ہے۔ دیکھنا! اس وقت کہیں تھک کر بیٹھ نہ جانا کہ اس کے بعد آپ کو عمر بھر اس کا افسوس رہے اور باصد حسرت دیاس کہنا پڑے کہ

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ کی بیداری میں، انسانیت کی بیداری کا راز مضمر ہے۔ اس لئے قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۷۴/۲-۵)

زمانے کے تقاضے کس طرح دنیا کو قرآن کے قریب لاتے جا رہے ہیں، اور مذہب پرست طبقہ کو کس طرح ان کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، اس کی ایک مثال سالِ گذشتہ ہمارے سامنے آچکی ہے۔ یعنی پاکستان میں زرعی اصلاحات۔ ہمارا مذہب پرست طبقہ، صدیوں سے یہ فتویٰ دیئے چلا آرہا تھا کہ زمین پر انفرادی ملکیت "شریعتِ حقہ" کے عین مطابق ہے اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ حکومت نے ملکیت کے رقبوں کی تحدید سے اس فیصلہ کو باطل قرار دیدیا اور جمہور نے اسے اس قدر پسند کیا کہ قدامت پرست طبقہ کو اس کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ اس سال حکومت نے ایک اور فیصلہ کیا ہے جو مروجہ قانونِ شریعت کے مقابلہ میں قرآنی احکام سے قریب تر ہے۔ مروجہ "شریعت" کی رُو سے یتیم پوتوں کو دادا کی وراثت سے حصہ نہیں مل سکتا۔ کسی کو اپنی جائداد میں وصیت کا پورا حق حاصل نہیں ہوتا۔ چار تک بیویاں کر لینے کی کھلی چھٹی ہے۔ مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ جس وقت چاہے بیوی کو طلاق دیدے لیکن عورت اس معاملہ میں بے بس ہے۔ ان خلافِ قرآن احکام سے معاشرہ میں اس قدر خرابیاں پیدا ہوئیں کہ مظلوم طبقہ نے ان کے خلاف آواز اٹھانی شروع کی۔ اس سے متاثر ہو کر سابقہ حکومت نے عائلی کمیشن مقرر کیا جس نے (جون ۱۹۵۶ء میں) اپنی سفارشات پیش کیں۔ اگرچہ یہ سفارشات تمام کی تمام بالکلیہ قرآن کے مطابق نہیں تھیں لیکن مروجہ شریعت کے مقابلہ میں قرآن سے قریب تر ضرور تھیں۔ (ان سفارشات پر اگست ۱۹۵۶ء کے طلوعِ اسلام میں تبصرہ کیا گیا تھا)۔ اخبارات میں شائع شدہ اعلان کے مطابق، حکومت نے اب ان سفارشات کو منظور کر لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے گا۔ اس طرح ان مظالم کا بڑی حد تک تدارک ہو جائے گا جو انسانوں کے خود ساختہ قوانین نے صدیوں سے مظلوم طبقہ پر روا رکھ چھوڑے تھے۔ ہم حکومت کو اس کے اس مستحسن اقدام پر درخورِ مبارکباد سمجھتے ہیں اور اسے دعا

کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد ایسا انتظام کرے جس سے ملک کے تمام مروجہ قوانین، قرآن کریم کے مطابق ہو جائیں اور آئندہ کوئی ایسا قانون نافذ نہ ہو سکے جو قرآن کے خلاف ہو۔ یہ مقصد آئینِ پاکستان کی رُو سے حاصل ہو سکے گا۔ لہٰذا بات پھر وہیں آگئی کہ اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ کانسٹی ٹیوشن کمیشن تک یہ آواز پہنچائی جائے کہ وہی آئین اسلامی کہلا سکتا ہے جو قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق ہو۔

اب مجھے برادرانِ عزیز! آپ سے کچھ باتیں اپنی تحریک و تنظیم کے متعلق کرنی ہیں۔ جیسا کہ میں شروع سے کہتا چلا آرہا ہوں، اس تحریک کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے اور نہ مذہبی فرقے سے۔ یہ قرآنی فکر کے عام کرنے کی ایک منظم کوشش ہے جہاں تک اس قرآنی فکر کا تعلق ہے جو ہماری طرف سے پیش کی جاتی ہے، اس کی بابت اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ اگر آپ اس فکر کو اس لئے صحیح سمجھتے ہیں کہ وہ میری فکر ہے۔ یعنی آپ کے پاس اس کے صحیح ہونے کی سند یہ ہے کہ ایسا "پرویز صاحب" کہتے ہیں، تو یاد رکھیئے کہ آپ نے نہ قرآنی فکر کو سمجھا ہے اور نہ اس تحریک کو۔ قرآنی فکر کے لئے نہ "پرویز صاحب" سند ہو سکتے ہیں نہ کوئی اور انسان۔ میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ از خود قرآن کریم پر غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں کہ میری فکر صحیح ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس طرح از خود غور و فکر کے بعد اسے صحیح سمجھتے ہیں تو اسے ماننئے۔ آپ کا اسے اس طرح صحیح ماننا، میری سند سے نہیں ہوگا بلکہ براہِ راست قرآن کریم کی سند سے ہوگا۔ اسے اچھی طرح سُن رکھیئے کہ جس دن آپ نے دین کے معاملہ میں، قرآن کریم کے بجائے کسی انسان کو سند مان لیا آپ نے فرقہ پرستی کی بنیاد رکھ دی۔ اور یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرقہ پرستی قرآن کی رُو سے شرک ہے۔

جو احباب اس طرح غور و فکر کے بعد طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کو صحیح سمجھیں، ان کی باہمی تنظیم کا نام "بزمِ طلوعِ اسلام" ہے۔ جس کا مقصد اس فکر کو عام کرنا ہے۔ اراکینِ بزم کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپس میں محبت اور مودت سے رہیں۔ ان کی زندگی رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ کی جیتی جاگتی تصویر ہو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ انہیں ایک دوسرے پر بھروسہ ہو۔ نصب العین کی وحدت اس قسم کا بھروسہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ تنظیمی معاملات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو اہمیت نہ دیں۔ اپنی بات منوانے پر ضد نہ کریں۔ دوسرے کو اپنے دل میں سمو لینے کے لئے آخری حد تک کوشش کریں۔ یاد رکھیے آپ کی تسبیح کا ایک ایک دانہ بڑا قیمتی ہے۔ یہ منتشر موتی خدا خدا کر کے یکجا جمع ہوئے ہیں۔ انہیں بکھرنے نہ دیجئے۔

لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھیئے کہ جو شخص آپ کی پیش کردہ قرآنی فکر سے یکسر متفق نہ ہو اسے اپنے ساتھ رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کی یہ تنظیم پولیٹیکل پارٹیوں کی تنظیم سے بالکل مختلف ہے۔ پولیٹیکل پارٹی کی تقویت کا راز ممبروں کی تعداد میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہاں ووٹ گنے جاتے ہیں اور انہی کے شمار سے پارٹی کا مقام متعین ہوتا ہے۔

اس لئے پولیٹیکل پارٹیوں کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ان کی تائید میں ہاتھ اٹھانے والوں کو ہر قیمت پر اپنے ساتھ رکھیں لیکن آپ کی تنظیم ہم آہنگیٔ فکر و نظر کی بنیادوں پر استوار ہے۔ اس لئے جو شخص اس قرآنی فکر کو عام کرنے میں دل و جان سے آپ کے ساتھ شریک نہیں اُسے باندھ کر ساتھ رکھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ قرآن کی محبت جس شخص کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہے، وہ اگر کسی وقت کسی ہنگامی جذبہ سے مغلوب ہو کر، آپ سے علیحدگی بھی اختیار کر لیتا ہے تو وہ ' زود یا بدیر، پھر آپ کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔

اُٹھ کر تیرے در سے جانے والے
لوٹ آئیں گے پھر کسی بہانے

اس لئے کہ ایسی رفاقت اسے کہیں اور نہیں مل سکے گی۔ لیکن جس کے دل میں لگی نہیں، اسے آپ بہ جبر اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے

عشق پر زور نہیں۔ ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

البتہ آپ اپنی اس کوشش کو جاری رکھیے کہ جو آگ آپ کے دل میں بھڑک رہی ہے اس کے دل میں بھی بھڑک اٹھے۔

رفیقانِ گرامی قدر! ایک اور سوال بھی بڑا اہم اور قابلِ غور ہے۔ آپ ہر سال کنونشن میں جمع ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان اجتماعات سے مقصد کیا ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ ایسی تقاریب میں ہم فکر احباب ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تبادلۂ خیالات ہوتا ہے۔ باہمی رابطہ بڑھتا ہے۔ فہم قرآن کے سلسلے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کا حل مل جاتا ہے۔ بہت سے نکات واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ مقاصد بھی بڑے خوشگوار ہیں، لیکن کنونشن کا بنیادی مقصد کچھ اور ہے۔ یہ اجتماع آپ کے لئے " یوم الحساب" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں آپ نے اپنا محاسبہ کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ جو فیصلے سابقہ کنونشن میں ہوئے تھے، ان پر کہاں تک عمل درآمد ہوا۔ جن عزائم کا اظہار آپ نے ایک سال پہلے کیا تھا، وہ کس حد تک عملی پیکروں میں آسکے۔ جو پروگرام آپ نے پچھلے سال طے کیا تھا، اس کی کہاں تک تکمیل ہوئی۔ اگر آپ نے اس طرح احتساب خویش کا فریضہ ادا کیا تو آپ کے اجتماع کا مقصد پورا ہو گیا۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر یہ اجتماع "ہجوم مومنین" سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا اگر اس محاسبہ کے بعد یہ نظر آئے کہ ہمارا قدم آگے بڑھ رہا ہے تو ہمارا شمار زندہ انسانوں میں ہوگا۔ ہماری منزل قریب آتی جائے گی اور اس کی توقع کی جا سکے گی کہ ہم ایک دن وہاں پہنچ کر رہیں گے ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ (۶/۱۶)۔ اگر ہم دیکھیں کہ ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں پچھلے سال تھے، تو یہ بے جان پتھروں کی حالت ہے۔ زندہ انسانوں کی نہیں۔ جمود و تعطل اور موت میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں۔

دمادم نقش ہائے تازہ ریزد — بیک صورت قرارِ زندگی نیست
اگر امروزِ تو تصویرِ دوشش است — بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

اور اگر آپ (خدانکردہ) دیکھیں کہ آپ کا قدم پیچھے ہٹ گیا ہے۔ آپ میں اتنی زندگی اور حرارت بھی نہیں جتنی سالِ گذشتہ تھی تو یہ وہ حالت ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (۹۵/۵) "پھر ہم اسے پست سے پست ترین حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں"۔ ایسی حالت کے متعلق، اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ

آج جس کی منزلِ مقصود، کل سے دور ہو ۔۔۔ اس کے دل سے پوچھئے، اسکے جگر سے پوچھئے

لہٰذا برادرانِ عزیز! آپ اس اجتماع میں اپنا محاسبہ کیجئے اور دیکھئے کہ قرآن کریم کی رُو سے آپ کا شمار زندہ انسانوں میں ہوتا ہے۔ پتھر کی سلوں میں ہوتا ہے یا اسفل سافلین ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا جائزہ آپ کو ایک ایک قدم پر لینا چاہیئے۔ زندگی نام ہی محاسبِ خویش کا ہے۔ آپ جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ کچھ کرتے نہیں تو آپ زندگی سے شاعری کرتے ہیں وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (۲۶/۲۲۶)۔ اور اگر آپ کی (خدانخواستہ) نفسیاتی حالت ایسی ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا (۳/۱۸۷) "وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ان کاموں کی بنا پر کی جائے جنہیں وہ سرانجام نہیں دیتے" تو یہ خود فریبی بھی ہے اور خدا فریبی بھی۔ جو جماعت قرآنی پیغام کو عام کرنے کا دعوےٰ کرے، اس کی کیفیت قطعاً ایسی نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کے دعوے کا ثبوت اس کے اعمال کے زندہ نتائج ہونے چاہئیں۔ یاد رکھیئے! خدا کی میزان میں، وزن اعمال کا ہوتا ہے، باتوں کا نہیں۔ نری باتیں کرنا شاعری ہے جو ایک داعیٔ انقلاب کے قطعاً شایانِ شان نہیں۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (۳۶/۶۹) اسی حقیقت کا اعلان ہے۔ آپ جس انقلاب آفریں آواز کو لے کر اٹھے ہیں اس کی اہمیت کو سامنے رکھیئے اور پھر سوچئے کہ آپ کی ذمہ داری کس قدر عظیم ہے اور آپ کی زندگی کا ایک ایک سانس کس قدر قیمتی ہے۔ اس صفحۂ ارض پر صرف آپ کی مٹھی بھر جماعت ہے جو قرآنی نظام کے قیام کی دعوت لے کر اٹھی ہے۔ دنیا کی نگاہیں یہ دیکھنے کے لئے آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ جس نظام کے متعلق یہ بلند آہنگ دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ وہ نوعِ انسانی کی تمام مشکلوں اور مصیبتوں کا حل اپنے اندر رکھتا ہے وہ کب قائم ہوتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے ریسرچ اسکالرز مجھے ملنے کے لئے آتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآنی نظام کا تصور پیش کرتا ہوں تو ان کی نگاہوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اس کے لئے ہمہ تن متاثر ہوتے ہیں لیکن دبی زبان سے کہتے ہیں کہ معلوم نہیں اس زمانے میں اس قسم کا نظام عملاً متشکل بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ہم اس کے لئے کوشش کر رہے ہیں تو ان کا الوداعی فقرہ یہ ہوتا ہے کہ ہم آپ کی کوششوں کے نتائج کا بڑی بے تابی سے انتظار کریں گے۔ اس سے برادرانِ من! اندازہ لگایئے کہ آپ نے کتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونا کس قدر ضروری ہے۔ آپ کی کوششوں کے ساتھ پوری کی پوری انسانیت کا مستقبل وابستہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو سوچئے کہ آپ کائنات کی عدالت میں کتنے بڑے مجرم قرار پائیں گے۔ اس لئے اس پیغام کے عام کرنے میں پوری تندہی سے کام کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان کی تقدیر، جس نے آپ سے اس قدر درخشندہ

توقعات وابستہ کر رکھی ہیں، پھر مایوس ہو جائے اور باصد حسرت و غم پکار اٹھے کہ

مدت کے بعد اذن تبسم ملا ہمیں
وہ بھی کچھ ایسا تلخ کہ آنسو نکل پڑے

عزیزان گرامی قدر! میں نے آپ سے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔ امسال میرا یہ خطاب مقابلتہً مختصر ہے۔ یہ اس لئے کہ قرآنی آئین کے متعلق مجھے جو کچھ تفصیل سے کہنا ہے اسے عام اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔ میں آپ احباب کا بدل شکر گذار ہوں کہ آپ سفر کی صعوبات برداشت کر کے اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے آپ احباب کے یہ اجتماعات میری تنہائیوں کو انجمن میں بدل دیتے ہیں اور اس سے میری زندگی بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاص و محبت کی وسعتوں اور گہرائیوں میں اضافہ کرے اور جس مقدس مقصد کو لے کر آپ اٹھے ہیں، اس کی کامیابی میں اس کی کائناتی قوتیں آپ کے شریک حال ہوں۔ میری تو اب کیفیت یہ ہے کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اس نظام ربوبیت کے انتظار میں گذر رہا ہے جو جنت سے نکلے ہوئے آدم کو پھر سے فردوس بداماں کر دینے کا ضامن ہے۔ میں دن رات اسے پکار پکار کر آوازیں دیتا ہوں کہ

آ۔ اے میری بیتاب نگاہوں کے سہارے
مدت سے تیری راہ گذر دیکھ رہا ہوں

مجھے یقین ہے کہ میری اس معصوم آرزو میں آپ تمام احباب کی حسین آرزوئیں بھی شامل ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

پرویز

کیا آپ کو اتنی فرصت ہے؟

کہ آپ گذشتہ اڑھائی ہزار سال کے مختلف مفکرین، مؤرخین، سیاسی مدبرین، مذہبی مصنفین اور نامور سائنسدانوں کے خیالات کا مطالعہ کریں اور یہ دیکھیں کہ ان سب کا رجحان کس طرف ہے؟

آپ کو فرصت نہیں ہو سکتی

آپ کے لئے یہ کام اس معرکہ آرا کتاب نے کر دیا ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی زبان میں بھی نہیں مل سکتی

اس کتاب نے

اتنا ہی نہیں کیا کہ دنیا بھر کے ائمہ فکر و نظر کے خیالات یکجا جمع کر دیئے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ انسانی عقل کس طرح خدا کی وحی کی محتاج ہے۔ اس عجیب و غریب کتاب کا نام ہے

"انسان نے کیا سوچا؟"

جس کا تازہ ایڈیشن، بڑی آب و تاب کے ساتھ حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ ضخیم کتاب۔ سفید کاغذ ٹائپ کی طباعت۔ حسین اور پائیدار جلد۔

قیمت ــــــــــ بارہ روپے

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ طلوعِ اسلام ۲۷۔ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰/۱۴﴾

پھر اُن کے بعد ہم نے تمہیں ملک کی حکومت عطا کی تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو؟

قرآنِ کریم کی روشنی میں

اسلامی آئین کے بنیادی اصول

شائع کردہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

مقصودِ مملکت

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲/۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم زمامِ اقتدار ان کے ہاتھ میں دیں گے تو یہ

(۱) اس نظام کو قائم کریں گے جس میں تمام لوگ قوانینِ خداوندی کا اتباع کریں۔

(۲) تمام افرادِ معاشرہ کے لئے سامانِ نشو ونما مہیا کریں گے۔

(۳) ایسے قوانین نافذ کریں گے جو قرآن کی رو سے قابلِ قبول ہوں۔

(۴) ان قوانین و رسوم کو منسوخ کریں گے جنہیں قرآن ناپسند کرتا ہو۔

(۵) غرضیکہ ان کے تمام معاملات، اس پروگرام کی تکمیل کے لئے ہوں گے جسے خدا نے نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے تجویز کیا ہے۔

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اسلامی آئین کے بنیادی اصول

تحریکِ پاکستان کی بنیاد اس مطالبہ پر تھی کہ مسلمانوں کو ایک جداگانہ خطۂ زمین کی ضرورت ہے جس میں وہ اسلام کو ایک زندہ عملی نظام کی شکل میں متشکل کر سکیں اور اس طرح اپنے (یعنی صحیح اسلامی) تصورات کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔ یہ خطۂ زمین سنہ ۱۹۴۷ء میں مل گیا۔ اور اس کے بعد سب سے پہلا سوال یہ سامنے آیا کہ اس آزاد مملکت کے لئے ایسا آئین مرتب کیا جائے جو اسلامی نظام کا مظہر اور ہمارے تصوراتِ حیات کا پیکر ہو۔ قریب نو سال تک، قوم کے (نام نہاد) نمائندے، اس جدید مملکت کے لئے آئین سازی کے سوال کو لے کر بیٹھے رہے۔ اس تمام عرصہ میں کیفیت یہ رہی کہ ——— ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا ملتا نہیں ——— نو سال کی مسلسل کشمکش کے بعد بالآخر سنہ ۱۹۵۶ء کا آئین مرتب ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ اس کا اسلامی ہونا تو ایک طرف، وہ دنیا کی عام مملکتوں کے آئین جیسا قابلِ عمل بھی نہ تھا۔ سنہ ۱۹۵۸ء کے عسکری انقلاب نے جب سابقہ سیاسی نظام کی بساط الٹی تو اس کے ساتھ ہی وہ آئین بھی دریا برد ہو گیا۔ اس انقلاب نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ملک میں جلد از جلد آئینی نظام قائم کرے گا۔ اس وعدہ کے مطابق، اب ایک آئینی کمیشن کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے جس کے سپرد یہ اہم فریضہ کیا گیا ہے کہ وہ جدید آئین کے لئے اپنی سفارشات پیش کرے۔

طلوعِ اسلام نے تحریکِ پاکستان کو کامیاب بنانے کے لئے امکان بھر کوشش کی تھی، اس لئے کہ اس کا ایمان تھا (اور ہے) کہ ایک آزاد مملکت کے بغیر اسلام اپنی زندہ اور پائندہ عملی شکل میں سامنے نہیں آ سکتا۔ اس کے بعد، جب نو سال تک آئینِ پاکستان کی تدوین کا مسئلہ زیرِ غور رہا تو یہ مسلسل اور متواتر اس امر کی وضاحت کرتا رہا کہ (اس کی بصیرتِ قرآنی کے مطابق) اسلامی آئین کے خط و خال کیا ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب حکومت نے اہلِ پاکستان سے کہا کہ وہ آئین سے متعلق اپنے خیالات حکومت تک پہنچائیں تو اس کی طرف سے پورے آئین کا مسودہ بھی پیش کیا گیا۔ چونکہ وہ تحریریں طلوعِ اسلام کے نو دس سال کے فائلوں میں بکھری پڑی ہیں، اس لئے اب جبکہ تدوینِ آئین کے لئے از سر نو کوشش ہو رہی ہے، مناسب سمجھا گیا ہے کہ اسلامی آئین کے بنیادی اصولوں کو یکجا پیش کر دیا جائے تاکہ جو حضرات یہ معلوم کرنا چاہیں کہ اسلامی آئین کا تصور کیا ہے، انہیں اس باب میں دقت نہ ہو۔ ذیل کی سطور میں

ان اصولوں کو عام فہم الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ یہ آئین کے بنیادی اصول ہیں۔ ان کی روشنی میں آئین کی جزئیات بآسانی مرتب کی جاسکتی ہیں۔

بابِ اوّل

اقتدارِ اعلیٰ

۱۔ قرآنی اصطلاح

اصطلاحات ہر دور میں بدلتی رہتی ہیں۔ ہمارے زمانے میں نظامِ مملکت، ضابطہ، قانون، آئین وغیرہ عام سیاسی اصطلاحات رائج ہیں۔ قرآن کریم میں ان سب کے لئے ایک جامع اصطلاح آئی ہے۔ اور وہ ہے "الدین"۔ یہ لفظ ان تمام قوانین وضوابط، اور نظام و آئین کو محیط ہے جو انسانی زندگی کو ایک خاص نہج پر چلاتے ہیں۔ لہٰذا الدین وہ آئینِ مملکت اور نظامِ حکومت ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

۲۔ آئینی زندگی

قرآن کریم نوضویت (ANARCHY) کی زندگی پسند نہیں کرتا۔ وہ آئین ونظام کے تابع زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے وہ دور جس میں انسان خدا کے عطا کردہ آئین (الدّین) کے مطابق زندگی بسر کریں، قرآن کی اصطلاح میں "یومُ الدِّین" کہلاتا ہے۔ یعنی وہ دور جس میں الدین (آئینِ خداوندی) کا دور دورہ ہو[1]۔

۳۔ اقتدارِ اعلیٰ

یوں تو لفظ الٰہ کے معنی بھی (جس کے پہلے اَل لگ کر اَللہ بنا ہے) صاحب اقتدار واختیار کے ہیں یعنی اللہ کے معنی ہیں وہ ہستی جو تمام اقتدارات واختیارات کی مالک ہے۔ لیکن اس خاص صفت کے لئے قرآن کریم میں لفظ مالِک آیا ہے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورۃ (سورۂ فاتحہ) میں، خدا کی ربوبیت اور رحیمیت (یعنی نشوونما دینے) کی صفات کے بعد کہا گیا ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (۱/۳) یعنی انسان کی صحیح آئینی زندگی میں، اقتدار واختیار صرف خدا کا ہوگا۔

اس مفہوم کی وضاحت قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کردی کہ مَا اَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ تجھے کیا معلوم ہے کہ یوم الدین کسے کہتے ہیں۔ ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ تم کیا سمجھو کہ یوم الدین سے مراد کیا ہے؟ یہ کہنے کے بعد خود ہی جواب دیا کہ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۚ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (۸۲/۱۷-۱۹)

---

[1] الدین کے معنی قانونِ مکافات کے بھی ہیں یعنی وہ دور جس میں اعمال کا نتیجہ مرتب ہو کر سامنے آجائے۔ یا یوں کہیے کہ آخری فیصلوں کا دور۔

"جس دور میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر کسی قسم کا اقتدار اور اختیار نہیں رکھے گا اور اس میں حکم صرف خدا کا ہوگا۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ آئینِ خداوندی کی رُو سے اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ کو حاصل ہوگا۔ اسی لئے دوسری جگہ اُسے مَالِكُ الْمُلْكِ (۳/۲۵) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ ہستی جسے مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو۔ وہ اپنے اس اقتدارِ مطلق میں کسی کو شریک نہیں کرتا وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (۱۸/۲۶) "وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا"۔ سورہ التین میں ہے کہ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ۔ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ (۹۵/۷-۸)۔ "اس کے بعد وہ کونسی چیز ہے جو تجھے الدین کے بارے میں جھٹلا سکتی ہے۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں؟"

اسلامی آئین کی شق اوّل

تصریحاتِ بالا سے واضح ہے کہ اسلامی آئین کی شق اوّل یہ ہوگی کہ

مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی کو اقتدار و اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

مسلم

جو شخص اسلامی آئین کی اس بنیادی شق کو تسلیم کرے گا، اُسے "مسلم" کہا جائے گا۔ اس شرط کے پورا کرنے کا شہری بن سکے گا۔ سورۂ انبیاء میں ہے۔

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۲۱/۱۰۸)

ان سے کہو کہ میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارا صاحبِ اقتدار صرف خدائے واحد ہے۔ (اس کے بعد بتاؤ کہ) کیا تم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہو؟

اسی کو لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کہتے ہیں۔ یعنی اس امر کا اقرار کہ اللہ کے سوا کوئی اور صاحبِ اقتدار نہیں۔ اس بنیادی اصول کو ماننے والے وہ افراد ہیں جو مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کے بعد کہتے ہیں إِيَّاكَ نَعْبُدُ (۱/۴) "ہم صرف تیری اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں"۔

یہی وہ حقیقت ہے جسے سورۂ یوسف میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ "حکومت

؎ مرنے کے بعد کی زندگی میں؛ اس دور سے کیا مراد ہے؛ اس کے متعلق قرآن کریم نے الگ تصریحات دی ہیں۔ اس دنیا میں یہ دور، قرآنی حکومت کا دور ہوگا۔

اللہ کے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی"۔ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ۔ "اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی فرمانبرداری اختیار نہ کرو"۔ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ "یہی صحیح، سیدھا اور توازن بدوش آئینِ حیات ہے"۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۲/۴۰)۔ "لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو جانتے نہیں"۔ اور کبھی اقتدارِ اعلیٰ کسی ایک فرد (بادشاہ یا ڈکٹیٹر) کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور کبھی عوام کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اقتدارِ اعلیٰ انھیں حاصل ہے۔ یاد رکھیے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ
یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...... (۳/۷۸)

کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکومت و نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے فرماں پذیر بن جاؤ۔

محکومیت صرف خدا کی جائز ہے — حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری۔

باب دوم

عملی اقتدار

تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلامی آئین کی رُو سے اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں۔ لیکن خدا تو ایک بسیط حقیقت (ABSTRACT REALITY) ہے جو نہ کسی انسان کے سامنے آتا ہے۔ نہ کسی سے بات کرتا ہے۔ نہ اسے کوئی دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے اس کے اقتدار کی عملی شکل کیا ہے؟ یعنی اس کا یہ اقتدار مملکت کے اندر نفاذ پذیر کس طرح سے ہوتا ہے؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ...... (۷/۳) "جو کچھ تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اس کا اتباع کرو اور اس کے علاوہ دیگر کارفرماؤں کا اتباع مت کرو"۔ یعنی خدا کا یہ اقتدارِ اعلیٰ اس کتاب (قرآن کریم) کی رُو سے نافذ العمل ہوتا ہے جسے اس نے نوعِ انسان کی راہ نمائی کے لئے نازل کیا ہے۔ اس حقیقت کو دوسرے مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ
اَرٰىكَ اللّٰهُ ...... (۴/۱۰۵)

یقیناً ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تو لوگوں میں اس کے مطابق حکومت قائم کرے جس کا اللہ نے تجھے علم دیا ہے۔

یہی چیز مومن اور کافر میں مابہ الامتیاز ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴) "اور جو قوم خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتی۔ تو یہی لوگ کافر ہیں: یعنی سیکولر اور اسلامی مملکت میں فرق یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں حکومت قرآن کریم کے مطابق قائم ہوتی ہے۔ اور سیکولر حکومت میں انسانوں کی مرضی کے مطابق۔ جو لوگ قرآن کریم کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ کافر ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرنے کا نام الاسلام ہے۔

ان تصریحات سے یہ بھی واضح ہے کہ جس مملکت کے باشندے مسلمان ہوں، اس کے لئے یہ سوال فیصلہ طلب نہیں ہوتا کہ وہاں کا آئینِ مملکت قرآن کریم کے مطابق ہونا چاہیئے یا کوئی اور۔ جو شخص مسلمان ہوتا ہے وہ اس بنیادی حقیقت کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی قرآن کے تابع بسر کرے گا۔ اگر وہ قرآن کے علاوہ کوئی اور آئین چاہتا ہے تو اس کے لئے کھلا ہوا راستہ یہ ہے کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرلے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے اپنے لئے غیر قرآنی آئین تجویز کرے۔ مسلم اور قرآنی آئین لازم و ملزوم ہیں۔

لہٰذا

اسلامی آئین کی دوسری شق یہ ہوگی کہ

اس مملکت میں عملاً اقتدارِ اعلیٰ قرآن کریم کو حاصل ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت قرآن کے مطابق قائم کی جائے گی۔ اور اس کے خلاف کوئی فیصلہ قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

۲۔ صاف اور واضح کتاب

یہ کتاب صاف اور واضح ہے۔ اپنے مطالب کو کھول کر بیان کرتی ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ (۳۶/۶۹)۔ بڑی آسان ہے۔ (وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ ۵۴/۲۲)۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ (وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ ۱۸/۱)۔ اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (۴/۸۲)

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت

سے اختلافات پاتے۔

لہذا یہ سمجھنا غلط ہے کہ قرآن کو ضابطۂ مملکت بنانے سے امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ یہ کتاب نوعِ انسان کے اختلافات مٹانے کے لئے آئی ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ (۲/۲۱۳) "تاکہ یہ لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کرے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔" اس لئے اسے مملکت کا آئین تسلیم کرنے سے تمام اختلافات مٹ جائیں گے۔

بابِ سوم

کتاب کی عملی تنفیذ

۱۔ وراثتِ کتاب

کتاب (خواہ کوئی بھی ہو) بہر حال حروف والفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اسے عملاً نافذ کرنے کے لئے کسی زندہ اتھارٹی (نظام) کی ضرورت لاینفک ہے۔ اسلامی آئین کی رُو سے یہ اتھارٹی کسی فرد، کسی گروہ یا کسی خاص جماعت کو تفویض نہیں کی جاتی۔ یہ فریضہ پوری کی پوری امت کے سپرد ہوتا ہے جسے اس کتاب کا وارث ٹھہرایا گیا ہے۔ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ...... (۳۵/۳۲)۔ "پھر ہم نے اس کتاب کا وارث انہیں بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے (اس مقصد کے لئے) چن لیا۔" جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، اسلامی مملکت کا فریضہ قرآن کے اصول و قوانین کے مطابق حکومت قائم کرنا ہے۔ اسے قرآن کی اصطلاح میں "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کہتے ہیں۔ یعنی جس بات کو قرآن صحیح قرار دیتا ہے اس کا حکم دینا اور جو بات اس کی رُو سے ناپسندیدہ ہے اس سے روکنا۔ یہ فریضہ پوری کی پوری امت کا قرار دیا گیا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳/۱۰۹)

تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو۔

۲۔ مشاورت

امت، یہ فرائض باہمی مشاورت سے سر انجام دے گی۔ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۴۲/۳۸) "ان کے امورِ مملکت باہمی مشورہ سے طے پائیں گے۔"

واضح رہے کہ امورِ مملکت کے بارے میں قرآن اصولی راہ نمائی دیتا ہے۔ ان اصولوں کی جزئیات خود متعین نہیں کرتا۔ اس لئے اس نے یہ تو کہہ دیا کہ امورِ مملکت باہمی مشاورت سے طے ہوں گے لیکن اس مشاورت کی مشینری خود متعین نہیں کی۔ اسے امت پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق خود تجویز کرے کہ اس مشاورت کے لئے عملی اسکیم کون سی اختیار کرنی چاہیئے۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کی روشنی میں اسلامی آئین کی تیسری شق یہ ہوگی۔

قرآن کریم کے مطابق حکومت کا قیام ملتِ اسلامیہ کا مشترکہ فریضہ ہوگا

اور یہ فریضہ ان کے باہمی مشورہ سے سرانجام پائے گا۔

اس اعتبار سے یہ نظام "جمہوریہ شورائیہ" کہلا سکے گا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جمہور کے جملہ اختیارات، قرآن کریم کی حدود کے اندر ہوں گے۔ وہ نہ تو ان حدود میں کمی بیشی کر سکیں گے اور نہ ان سے تجاوز۔ اس میں "تھیاکریسی" کا شائبہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس مملکت میں کسی کو خدائی اختیارات حاصل نہیں ہوں گے۔ یہ صرف احکامِ خداوندی کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ (تفصیل اس کی ذرا آگے چل کر، جہاں مملکت کے "قانون سازی کے اختیارات" پر بحث کی جائے گی)۔

۳۔ پارٹی سسٹم

قرآن کریم کی رو سے پوری کی پوری امت ایک پارٹی ہے۔ اس کے اندر پارٹیوں کا وجود (خواہ وہ مذہبی فرقوں کی شکل میں ہو یا سیاسی پارٹیوں کے پیکر میں) شرک ہے۔ سورۂ روم میں ہے وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (۳۰/۳۱-۳۲) (مسلمانو! دیکھنا۔ تم نے خدائے واحد پر ایمان لا کر پھر سے کہیں) مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور فرقوں یا پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے۔ پھر ہر فرقہ یا پارٹی اپنے اپنے مسلک پر اترا رہی ہے۔" دوسرے مقام پر رسول اللہ سے کہا گیا ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ..... (۶/۱۶۰) "وہ لوگ جو اپنے دین میں فرقے پیدا کر دیں اور خود بھی ایک فرقہ یا پارٹی بن جائیں، اے رسول! تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔" وحدتِ امت دین کا بنیادی تقاضا ہے۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا .... (۳/۱۰۲)

تم سب کے سب مل کر حبل اللہ سے (کتابِ خداوندی سے) کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ اور مذہبی فرقوں یا سیاسی پارٹیوں میں مت تقسیم ہو جاؤ۔

فرقوں اور پارٹیوں سے اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور اختلاف خدا کا عذاب ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ ...

الْبَيِّنٰتُ۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (۳/۱۰۴)

(مسلمانو!) تم نے ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پارٹیوں میں بٹ گئے اور (خدا کی طرف سے) واضح احکام آ جانے کے بعد باہمی اختلاف کرنے لگ گئے۔ ان لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔

اختلافات کا بٹ جانا، خدا کی رحمت ہے وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ...... (۱۱/۱۱۸)

"لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے بجز ان کے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو"۔

اس مملکت میں تمام افرادِ امت، ایک دوسرے کو حق و استقامت کی تلقین کریں گے (وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ ۱۰۳/۳)۔ اور بر و تقویٰ کے کاموں میں سب ایک دوسرے سے تعاون کریں گے (وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۵/۲)

لہٰذا اسلامی آئین کی چوتھی شق یہ ہوگی کہ

مملکت میں، پوری کی پوری ملت، ایک جماعت کی حیثیت سے حکومت کی تشکیل کرے گی اور ملک میں پارٹیوں اور فرقوں کا وجود قطعاً ممنوع ہوگا۔

چونکہ مذہبی فرقوں کا مٹانا ایک دن کا کام نہیں اس لئے اس شق میں اس امر کی تصریح کی جا سکتی ہے کہ مذہبی فرقوں کا وجود عبوری دور تک مجبوراً برداشت کیا جائے گا لیکن اس دوران میں ایسے قرآنی اقدامات کئے جائیں گے جن سے کچھ وقت کے بعد، پوری ملت، امتِ واحدہ بن جائے۔

بابِ چہارم

تقسیمِ کار

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، مملکت کے اندر بسنے والی ملتِ اسلامیہ ایک امت ہوگی۔ لیکن امورِ مملکت کی سر انجام دہی کے لئے "تقسیمِ کار" ضروری ہوگا۔ اور مختلف کاموں کے لئے مختلف صلاحیتوں کے افراد کا انتخاب عمل میں آئے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ...... (۶/۱۶۶)

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں حکومت عطا کی۔ اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا تاکہ یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تمہارے سپرد کیا گیا ہے اس میں تم کیا کرتے ہو؟

قرآن کریم میں افرادِ امت کو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ مثلاً مسلمین۔ مومنین۔ صالحین۔ متقین وغیرہ۔ عام طور پر یہ الفاظ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن بعض مقامات میں ان میں اس قسم کا فرق کیا گیا ہے جس سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اگر افرادِ امت کی تقسیم جوہرِ ذاتی اور اعمال کی رو سے کی جائے تو یہ نام اس کے مختلف طبقات کے قرار پا جائیں گے۔ اس تقسیم کی رو سے سب سے نچلا طبقہ "مسلمین" کا ہوگا۔ یعنی ان کا جنہوں نے بعض وجوہات کی بنا پر اسلامی آئین و مملکت کو تسلیم کر لیا ہے لیکن ابھی تک ان کی تعلیم و تربیت ایسی نہیں ہوئی کہ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہو۔ سورۃ حجرات میں ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ...... (۴۹/۱۴)

یہ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تمہیں یہ کہنا چاہیئے کہ ہم نے (اسلامی مملکت کی) فرمانبرداری اختیار کر لی ہے۔ (اس لئے کہ) ابھی تک ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوا۔

ان کے مقابلہ میں

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۴۹/۱۵)

مومن صرف وہ ہیں جو (دل کی گہرائیوں سے) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر ان کے دل میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں گزرتا۔ اور وہ اللہ کی راہ میں (نظامِ خداوندی کے لئے) اپنے مال وجان سے مسلسل جدوجہد کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں۔

یہ حلقۂ مومنین جوں جوں اعمالِ صالحہ میں آگے بڑھتا ہے، صالحین کے زمرہ میں داخل ہوتا جاتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ (۲۹/۹) "اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اعمالِ صالحہ کرتے ہیں۔ ہم ضرور انہیں طبقۂ صالحین میں داخل کریں گے۔" صالحین" کے معنی یہ ہیں کہ ان کی مضمر صلاحیتیں اس حد تک نشوونما پا لیتی ہیں کہ وہ مملکتِ خداوندی کا نظم ونسق سنبھالنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ انہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (۲۱/۱۰۵) "اور ہم نے زبور (یا ہر آسمانی کتاب) میں قوانین دے دینے کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ وراثتِ ارض (مملکت کا نظم ونسق) میرے صالح بندوں کو ملے گی"۔

لئے دورِ حاضر کی اصطلاح میں اجرائیہ یا نافذہ (EXECUTIVE) کہا جا سکتا ہے۔ ان کے اوپر وہ طبقہ آتا ہے جسے مقننہ (LEGISLATURE) کہا جاتا ہے۔ یہ "متقین" کا حلقہ ہے جن کے متعلق کہا گیا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ‏(۲/۱۷۷)

کشادگی کی راہ (نیکی) یہ نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق کی سمت کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ کشادگی کی راہ اس کے لئے ہے جو اللہ۔ آخرت۔ ملائکہ۔ کتب اور انبیاء پر ایمان لاتا ہے اور مال و دولت کو، اس کی محبت کے علی الرغم قریبیوں کو۔ یتیموں اور مسکینوں کو، اور بے زادِ سفر مسافروں کو۔ محتاجوں کو اور ان کو جو دوسروں کی محکومی میں جکڑے ہوں، دیتا ہے اور وہ لوگ کہ جب وہ کسی سے عہد کریں تو اس عہد کو پورا کرتے ہیں۔ جو ہر مشقت اور مصیبت میں اور جنگ میں (دشمن کا مقابلہ) بڑی ثابت قدمی سے کرتے ہیں۔ یہ ہیں وہ جو اپنے دعوائے ایمان کو سچ کر دکھاتے ہیں۔ انہی کو متقین کہتے ہیں۔

اور جو ان میں سب سے زیادہ تقویٰ شعار (یعنی قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرنے والا) ہو وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوتا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۴۹/۱۳) "تم میں سے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہو وہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ واجب التکریم ہوتا ہے" یہ اس مملکت کا صدرِ اعظم ہوگا۔

قرآن کریم کی ان آیات سے واضح ہے کہ وہ، افرادِ امت میں عام مساوات کے ساتھ ساتھ تقسیم عمل کے اصول کے مطابق، مختلف مدارج کو تسلیم کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسلامی مملکت میں ہر کام اس کے سپرد کیا جائے جس کا وہ اہل ہو۔ "اہلیت" کی شرط یہ ہے کہ اس میں اس فریضہ کے سرانجام دینے کی صلاحیت ہو اور اس کی زندگی قرآن کریم کے مطابق ہو۔ لیکن اس تفریق مدارج کے یہ معنی نہیں کہ اوپر کے طبقے والوں کو نچلے طبقہ والوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) اسلامی مملکت میں کسی فرد کو دوسرے فرد پر حکومت کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ یہ تفریق و تمیز محض ذمہ داریوں کی تقسیم کے لئے ہے۔

۲۔ امیدوار

جو شخص اپنے آپ کو کسی خاص ذمہ داری کا اہل سمجھے، وہ اس کے لئے اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کر سکتا ہے۔ قرآن کریم نے مومنین کو یہ دعا سکھائی ہے کہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (۲۵/۷۴)۔ "تو ہمیں متقین کا امام بنا دے"۔ متقین کی امامت

بلند ترین مقام ہے جو اسلامی مملکت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ جب اس مقام کی آرزو کی جا سکتی ہے تو دوسری ذمہ داریوں کے مقامات کی تمنا کیوں نہیں کی جا سکتی؟ اور یہ ظاہر ہے کہ جس آرزو کا دل میں پیدا ہونا معیوب نہیں اس کا زبان پر لانا کس طرح معیوب ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت یوسفؑ نے دیکھا کہ وہ ملک کی حالت سدھارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو انہوں نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ (۱۲/۵۵)۔ مجھے ملک کے خزانوں کا انچارج بنا دو۔ میں ان کی حفاظت کر سکتا ہوں (کیونکہ) میں اس (شعبہ کا) واقف کار ہوں۔

لہٰذا اسلامی آئین کی اگلی شق یہ ہو گی کہ

یوں تو افرادِ ملت میں مساوات ہو گی لیکن تقسیمِ عمل کے اصول کے مطابق امورِ مملکت ان لوگوں کو تفویض کیے جائیں گے جن میں ان کے سرانجام دینے کی اہلیت ہو گی۔ "اہلیت" کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں متعلقہ امور کی سرانجام دہی کی صلاحیت کس قدر ہے اور ان کی زندگی کس حد تک قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اس باب میں معیارِ انتخاب صرف جوہرِ ذاتی اور بلندیٔ کردار ہو گا۔ یعنی ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام دیا جائے گا۔

باب پنجم

تشکیلِ حکومت

۱۔ مرکز

اسلامی مملکت کا پورا نظام اس محور کے گرد گھومتا ہے کہ اس میں حکومت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جو اس کی کتاب (قرآن کریم) کے ذریعے نافذ العمل ہوتا ہے۔ اس نظام کو سب سے پہلے رسول اللہؐ نے متشکل فرمایا۔ اس لئے اسے قرآن میں "اللہ اور رسول" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ نظامِ خداوندی جسے اس کے رسول نے قائم کیا۔ رسول اللہؐ اس نظام کی مرکزی اتھارٹی تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد یہی مرکزی حیثیت آپؐ کے جانشینوں کو حاصل ہو گئی۔ یعنی امورِ مملکت کے متعلق جو فرائض رسول اللہ سرانجام دیتے تھے، وہی فرائض آپؐ کی وفات کے بعد (مثلاً) حضرت ابوبکر صدیقؓ سرانجام دیتے تھے۔

۲۔ اولوا الامر (عمالِ حکومت۔ افسرانِ ماتحت)

نظم و نسقِ حکومت کے لئے، مرکز اپنے ماتحت عمال مقرر کرے گا۔ انہیں قرآن کریم نے اولوا الامر (یعنی صاحبانِ حکم) کہہ کر پکارا ہے۔ ان "صاحبانِ حکم" کے فیصلوں کے خلاف مرکز میں اپیل ہو سکتی ہے۔ لیکن مرکز کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ سورہ نساء میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ...... (۴/۵۹)

اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ کی۔ اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور اپنے میں سے "صاحب حکم" لوگوں کی۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہمی تنازعہ ہو جائے تو اسے "اللہ اور رسول" کی طرف لے جاؤ۔

مرکز اس متنازعہ فیہ معاملہ کا فیصلہ قرآن کریم کے مطابق کرے گا۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (۴۲/۱۰)۔ "جس بات میں تم اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے"۔ یعنی یوں تو افسرانِ ماتحت بھی تمام امور کے فیصلے قرآنی احکام کے مطابق کریں گے۔ لیکن اگر کسی معاملہ میں کسی کو ان کی تعبیر سے اختلاف ہو تو اس کی اپیل مرکز کے پاس جائیگی اور مرکز کی تعبیر آخری اور قطعی سمجھی جائے گی۔ مرکز بھی کسی ایک فرد کا نام نہیں ہوگا بلکہ صدر مملکت کی ایک مشاورتی کونسل ہوگی۔ چنانچہ خود نبی اکرمؐ سے کہا گیا تھا کہ

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ (۳/۱۵۸)

اور امورِ مملکت میں ان سے مشورہ کیا کرو۔ پھر جب تم (کسی معاملہ میں) پختہ فیصلہ کر لو تو پھر قانونِ خداوندی کی محکمیت کے بھروسے پر (اسے استقامت سے نافذ کر دیا کرو)

۳۔ عمال کے لئے شرائط

عمالِ حکومت کے لئے بھی سب سے پہلی شرط "اہلیت" ہے۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ...... (۴/۵۸)۔ "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو اختیارات تمہیں بطورِ امانت دیئے گئے ہیں، انہیں ان کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں"۔

دوسری شرط علم اور صحت کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوتؑ کو بنی اسرائیل کا کمانڈر مقرر کیا تو اس انتخاب کی وجہ یہ بتائی تھی کہ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (۲/۲۴۷) اللہ نے اسے تم پر (کمان کرنے کے لئے) منتخب کیا ہے اور اسے علم اور جسمانی صحت سے حصہ وافر ملا ہے۔

تیسری شرط عاقل اور بالغ ہونے کی ہے۔ سورہ نساء میں ہے کہ تم یتیموں کے مال کی نگرانی کیا کرو۔ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ (۴/۶)۔ "یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں اور تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دیا کرو"۔ اہم فرائض کی سرانجام دہی

کے لیے چالیس سال کی عمر کی شرط بھی عاید کی جا سکتی ہے۔ قرآن میں ہے حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ...... (۴۶/۱۵) "حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچتا ہے اور چالیس سال کی عمر کا ہو جاتا ہے"۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ انسان میں صلاحیتوں کی پختگی بڑی عمر میں جا کر آتی ہے۔

چوتھی۔ اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ جو لوگ

(i) قوانینِ خداوندی سے بے خبر ہوں

(ii) اپنے جذبات (مفاد پرستیوں) کے پیچھے لگ جائیں۔ اور

(iii) جن کے معاملات حد سے گزر جائیں۔

ان کے سپرد امورِ مملکت کبھی نہیں کرنے چاہئیں۔ قرآن کریم نے کہہ دیا ہے کہ ایسے لوگوں کا حکم کبھی نہیں مانا جانے گا۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (۱۸/۲۸)

اور اس کا حکم مت مان جس کا دل قوانینِ خداوندی سے بے خبر ہے اور جو اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے

اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔

۴۔ نااہلی

جس "صاحبِ حکم" کے اعمال (کام۔ معاملات) "غیر صالح" ہو جائیں، اس سے اختیارات چھین لینے ہوں گے کیونکہ وہ ان کا اہل نہیں رہتا۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کو اس کے "غیر صالح" اعمال کی وجہ سے حضرت نوحؑ کے "اہل" میں سے نکال دیا گیا تھا۔ (اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۱۱/۴۶)

واضح رہے کہ یہ شرائط یا کسی کو نااہل قرار دینے کی وجوہات، عمالِ حکومت (افسران ماتحت) تک محدود نہیں۔ ان کا اطلاق ان تمام افرادِ مملکت پر یکساں ہوگا جو کاروبارِ مملکت سے کسی نہج سے بھی متعلق ہوں — مثلاً رائے دہندگی — پارلیمان یا مجلسِ شوریٰ کی رکنیت۔ کابینہ کی وزارت۔ حتیٰ کہ مملکت کی صدارتِ عظمیٰ — یہ تمام مناصب، اہلیت اور صالحیت کی شرائط سے مشروط ہوں گے۔

لہٰذا اسلامی آئین کی اگلی شق یہ ہوگی کہ

امورِ مملکت کی سرانجام دہی کے لئے، صدرِ مملکت اور اس کی مجلسِ شوریٰ پر مشتمل مرکز ہوگا۔ اس مرکز کے ماتحت عُمّال ہوں گے جنہیں مرکز کی طرف سے اختیارات تفویض کئے جائیں گے۔

ماتحت عُمّال کے فیصلوں کے خلاف، افرادِ ملت کو اپیل کا حق ہوگا۔ لیکن مرکز کا فیصلہ آخری

اور قطعی سمجھا جائے گا۔

صدرِ مملکت، اس کی مجلسِ شوریٰ کے ارکان (یعنی وزرائے کابینہ) ارکان مجلسِ مقننہ (پارلیمان) متعلقین ہیئتِ اجرائیہ (اربابِ حکومت) اور افسران ماتحت پر، اور اُن دیگر افراد پر جو کسی نہ کسی انداز سے امورِ مملکت کی سرانجام دہی سے متعلق ہوں، حسب ذیل شرائط کا اطلاق ہوگا۔

(۱) قرآن کریم کے اصول و احکام سے واقفیت۔

(۲) متعلقہ امور کے سرانجام دینے کی اہلیت۔ اس میں علوم حاضرہ بھی شامل ہیں۔

(۳) صالحیت یعنی سیرت و کردار کی پاکیزگی۔

(۴) ذاتی جذبات و مفاد سے بلند ہو کر معاملات کی سرانجام دہی کی صلاحیت۔

(۵) عاقل، بالغ اور تندرست ہونا۔

اگر کوئی شخص کسی وقت ان شرائط یا ان میں سے کسی شرط پر پورا نہ اترے تو جس طریق سے اس کا انتخاب یا تقرر عمل میں آیا تھا اسی طریق سے اسے معطل یا برطرف کیا جا سکتا ہے۔

بابِ ششم

مقننہ کے اختیارات

قرآن کریم نے انسانی زندگی کے لئے اصولی راہ نمائی دی ہے اور بجز چند مستثنیات، ان کی جزئیات خود متعین نہیں کیں۔ جس کتابِ عظیم کو ہر زمانے کے انسانوں کے لئے ضابطۂ ہدایت بننا ہو اسے ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ انسانی زندگی سے متعلق اصول تو غیر متبدل رہتے ہیں لیکن ان کی جزئیات غیر متبدل نہیں رہ سکتیں۔ انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق قابلِ تغیر و تبدل ہونا چاہیئے۔ جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا، بعض لوگوں نے چاہا کہ قرآنی اصولوں کی جزئی تفاصیل بھی قرآن میں بیان کر دی جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کونسے سوالات سے منع سے روک دیا اور کہا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ

تَسُؤْكُمْ. وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ. عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ. قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ. (۵/۱۰۱-۱۰۲)

اے ایمان والو! ان چیزوں کے متعلق (جو قرآن میں بیان نہیں کی گئیں) سوال نہ کیا کرو۔ اگر انھیں تمہارے لئے ظاہر (بیان) کر دیا جائے تو وہ باعثِ تکلیف ہو جائیں گی۔ اور اگر تم ان کے متعلق ایسے وقت دریافت کرو جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو انھیں تمہارے لئے بیان کر دیا جائے گا۔ (جو سوالات تم اس وقت تک کر چکے ہو) اللہ اس سے درگزر کرتا ہے۔ وہ غفور و حلیم ہے۔ تم سے پہلے ایک قوم نے (اس قسم کے) سوالات پوچھے تھے۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) انھوں نے (بعد ازاں) ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔

قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی جزئیات متعین کرنا، اسلامی مملکت کی مجلسِ مقننہ کا کام ہوگا۔ یہ اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔ لیکن ان کی جزئیات میں عند الضرورت تغیر و تبدل یا حک و اضافہ ہوتا رہے گا۔ ان اصولوں کے متعلق فرمایا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا. لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ. وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. (۶/۱۱۶)

اور تیرے رب کی بات صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ (اس لئے کہ یہ اس خدا کی متعین کردہ باتیں ہیں) جو سب کچھ سننے والا۔ جاننے والا ہے۔

اس میں نہ کسی سے کسی قسم کی مفاہمت (COMPROMISE) کی جا سکتی ہے۔ نہ کسی کی رعایت کی جا سکتی ہے۔ سورۂ یونس میں ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ. قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ. قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ. اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ. اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ. (۱۰/۱۵)

اور جب ان کے سامنے ہمارے واضح قوانین پیش کئے جاتے ہیں تو وہ لوگ جو ہمارے سامنے آنے کی آرزو نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی دوسرا قرآن (ضابطہ قوانین) لاؤ تو ہم تمہارے ہمنوا ہوں گے یا کم از کم اس میں (ہماری منشا کے مطابق) تبدیلی کر دو۔ ان سے کہہ دو کہ مجھے کیا اختیار ہے جو میں اپنی طرف سے اس میں کوئی رد و بدل کر سکوں؟ میں تو صرف اپنی وحی کی پیروی کرنے (کے لئے بھیجا گیا ہوں)۔ اگر میں اس باب میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک سخت مصیبت انگیز عذاب سے ڈرتا ہوں۔

لہٰذا اسلامی آئین کی اگلی شق یہ ہوگی کہ

مملکت کی مجلسِ مقننہ، قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کی ضرورتوں کے مطابق، جزئی قوانین مرتب کرنے کا اختیار رکھے گی۔ ان اصولوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ البتہ ان کی حدود کے اندر جو جزئی قوانین باہمی مشاورت سے مرتب ہوں گے، عند الضرورت ان میں ترمیم و تنسیخ یا حک و اضافہ ہو سکے گا۔ ملک میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہو گا جو قرآنی حدود سے ٹکرائے۔

بابِ ہفتم

عدلیہ

اسلامی مملکت کا پورا انظام، عدل کے محور کے گرد گردش کرتا ہے۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ

(۱) تمام انسانوں کو پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم سمجھا جائے۔

(۲) ہر ایک کی صلاحیتوں کی نشو و نما کے لئے یکساں ذرائع اور مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

(۳) معاشرہ میں ان کی پوزیشن صرف ذاتی صلاحیتوں کی رو سے متعین کی جائے

(۴) ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام دیا جائے۔

(۵) کسی کو بنیادی حقوقِ انسانیت سے محروم نہ کیا جائے۔ اور

(۶) متنازعہ فیہ معاملات کے فیصلے اسی قانون کی رُو سے کئے جائیں جو قرآن کے اصولوں پر متفرع ہو اور جس کا اطلاق ہر ایک پر یکساں طور پر کیا جائے۔

عدل کے لئے قرآن کریم نے خاص طور پر کہا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ..... (۱۶/۹۰)۔ "یقیناً اللہ عدل کا حکم دیتا ہے۔" یہ ایک ایسا مطلق حکم ہے جس میں کسی حالت میں استثناء نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ جو لوگ ہم سے دشمنی کریں ان سے بھی عدل کرنا ضروری ہو گا۔ سورۂ مائدہ میں ہے وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (۵/۸) "کسی قوم کی دشمنی بھی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے عدل نہ کرو۔ بہر حال عدل کرو۔ یہ روش تقویٰ سے قریب تر ہے۔"

عدل کا تقاضا یہ بھی ہے کہ مجرم کو اس کے کئے کی سزا ملے۔ اس سلسلہ میں قرآن نے کہا ہے کہ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ...... (۲/۱۷۹) "اے صاحبانِ عقل و بصیرت تمہارے لئے قانونِ قصاص میں زندگی کا راز

پوشیدہ ہے۔" لیکن سزا ہمیشہ باندازۂ جرم ہونی چاہیئے۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا (۴۲/۴۰)۔ اور جہاں دیکھا جائے کہ مجرم اپنے کئے پر نادم ہے اور اس میں اصلاح کا امکان ہے تو اسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ (۴۲/۴۰) "جو شخص (مجرم کو) معاف کردے اور اس طرح اس کی اصلاح کردے تو اس حسن عمل کا بدلہ اللہ سے ملیگا۔"

عدل کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جرم کی سزا صرف مجرم کو ملے وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا (۶/۱۶۵) "اور جو جرم کرے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔" نیز یہ بھی کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری آپ اٹھائے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۶/۱۶۵) "کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

قرآن کریم نے نظامِ عدل کی تمام تفاصیل کو دو لفظوں میں بیان کردیا ہے جہاں کہا ہے کہ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (۲/۲۷۹) "نہ تم کسی پر زیادتی کرو اور نہ تم پر زیادتی ہو۔"

ظاہر ہے کہ اس نظامِ عدل کو ایسے افراد ہی قائم رکھ سکتے ہیں جو نہ اپنے میلانات اور عواطف سے اثر پذیر ہوں اور نہ ہی ان پر کسی قسم کا کوئی خارجی دباؤ ہو۔ عدل کے معاملہ میں مفاہمت (COMPROMISE) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ اپنی ذات کے ساتھ اور نہ ہی کسی خارجی قوت کے ساتھ ـــ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ (۶۸/۹)۔ "یہ چاہتے ہیں کہ تو مداہنت اختیار کرے تو یہ بھی مداہنت اختیار کرلیں" تو تھوڑا سا اپنے مقام سے ہٹ جائے تو یہ تم سے مفاہمت کرلیں۔ نظام عدل میں ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اسلامی مملکت میں عدلیہ کو خارجی اثرات سے قطعۃً آزاد رکھنا چاہیئے

لہٰذا اسلامی آئین کی ایک شق یہ ہونی چاہیئے کہ

> مملکت کا پورا کاروبار عدل کے بنیادی اصول کے مطابق طے پائے گا۔ عدل سے مختصراً مراد یہ ہے کہ
>
> (i) تمام انسانوں کو پیدائش کے لحاظ سے یکساں واجب التکریم سمجھا جائے۔
>
> (ii) ہر ایک کی صلاحیتوں کے لئے یکساں ذرائع اور مواقع بہم پہنچائے جائیں۔
>
> (iii) معاشرہ میں ہر ایک کی پوزیشن اس کی ذاتی صلاحیتوں کی رُو سے متعین کی جائے۔
>
> (iv) ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام دیا جائے۔
>
> (v) کسی کو بنیادی حقوق سے محروم نہ کیا جائے۔
>
> (vi) مجرم کو اس کے جرم کی سزا ملے۔ اور سزا باندازۂ جرم ہو۔ اور جہاں اصلاح کا امکان ہو وہاں

سزا سے معافی دیدی جائے۔

(vii) ہر شخص اپنا اپنا بوجھ خود اٹھائے۔

(viii) نہ کوئی تم پر زیادتی کرے۔ نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ اور

(ix) تمام متنازعہ فیہ امور کے فیصلے اس قانون کی رُو سے طے پائیں جو قرآن کے اصولوں پر متفرع ہو۔

وہ (عدلیہ) نظامِ عدل کے قیام کا ذمہ دار ہوگا وہ ہر قسم کے خارجی اثر یا دباؤ سے آزاد ہوگا۔ عدالتِ عالیہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا تقرر پارلیمان کی تصویب سے ہوگا۔

عدل کا حصول بلا معاوضہ ہوگا اور حکومت کی طرف سے مفتی مقرر ہوں گے جو لوگوں کو بتائیں گے کہ قانون کی رُو سے ان کے دعوے یا مطالبہ کی پوزیشن کیا ہے۔

باب ہشتم

مملکت کے مقاصد

قرآن کریم کی رو سے مملکت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات فرد ہے اور مملکت فرد کی انفرادیت کے تحفظ اور اسکی ذات کے استحکام کا ذریعہ ہے۔ قرآن نے مملکت کے سامنے جو پروگرام رکھا ہے وہ اسی بلند مقصد کے حصول کے لئے ہے۔ اسے اس نے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ مثلاً سورۂ نور میں ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ‎(۲۴/۵۵)

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لاتے ہیں اور اعمالِ صالح کرتے ہیں، یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انھیں زمین میں حکومت عطا کرے گا، جیسی کہ اس نے ان قوموں کو حکومت عطا کی جو ان سے پہلے ہو گذری ہیں۔ (حکومت عطا کرنے سے مقصد یہ ہے کہ) وہ ان کے لئے ان کے اس دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مستحکم کر دے۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے۔ اور اس طرح انھیں اس قابل بنا دے کہ وہ صرف میری محکومیت اختیار کریں اور اس میں کسی اور بات کو شریک نہ کریں۔ جو اس کے بعد بھی اس دین سے انکار کرے، تو یہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں۔

اس کے بعد ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۲۴/۵۶)

اور تم نظام صلوٰۃ قائم کرو۔ اور ایتائے زکوٰۃ کا انتظام کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو۔ تاکہ تمہاری نشوونما ہوتی رہے۔

ان آیات میں مجمل طور پر اسلامی مملکت کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی مملکت سے مقصود یہ ہے کہ

(۱) الدین کے نظام کا استحکام ہو۔

(۲) افراد مملکت کو کسی قسم کا خوف و حزن نہ ہو۔

(۳) اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہو۔

(۴) ایک معاشرہ قائم کیا جائے جس میں ہر فرد از خود پوری شدت اور قوت سے قوانینِ خداوندی کے پیچھے پیچھے چلتا رہے اور

(۵) پہلے افراد مملکت کو اور اس کے بعد تمام نوع انسان کو سامانِ نشوونما ملتا رہے۔

افراد مملکت، اس نظام کے مرکز کی اطاعت انہی مقاصد کے بروئے کار لانے کے لئے کریں گے اور اسی سے ان کی اپنی ذات کا نشوونما ہوگا۔

اس جگہ قرآن کریم نے ان مقاصد کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دوسرے مقامات پر انہیں "اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ" کی جامع اصطلاحات میں سمٹا کر رکھ دیا ہے۔ مثلاً سورۂ حج میں ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲/۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں ملک میں حکومت مل جائے گی تو یہ "اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ" کریں گے اور معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے۔ اور تمام امور اللہ کے لئے سرانجام پائیں گے۔

لہٰذا اسلامی مملکت کا بنیادی مقصد، افراد مملکت کو قوانینِ خداوندی کے مطابق چلانا اور ان کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا ہے۔ نشوونما میں، افراد کی تمام طبعی ضروریات بھی شامل ہیں اور ان کی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی بردمندی بھی۔

اللہ کی ذمہ داریاں

قبل اس کے کہ ہم اس اجمال کی تفصیل تک پہنچیں، ایک بنیادی نقطہ کی وضاحت ضروری ہے۔ جب اسلامی مملکت انسانوں سے خدا کے قوانین کی اطاعت کراتی ہے تو انسانوں کے متعلق جو ذمہ داریاں خدا نے اپنے اوپر لے رکھی ہیں، مملکت ان ذمہ داریوں کو بھی پورا کرتی ہے۔ ان ذمہ داریوں کا پورا کرنا، اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ ہے۔

ان ذمہ داریوں میں سب سے اہم اور بنیادی ذمہ داری سامانِ رزق کا بہم پہنچانا ہے۔ "رزق" میں وہ سامانِ زلیست آجاتا ہے جس سے انسان کے جسم کی پرورش اور اسکی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ سورۂ ہود میں ہے۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (۱۱/۶)

اور زمین میں کوئی متنفس (چلنے والا) ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔

یہی وہ ذمہ داری ہے جس کے پیش نظر اسلامی مملکت، افراد مملکت کو مخاطب کر کے کہتی ہے کہ

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (۶/۱۵۲)

ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی

جہاں تک انسان کی جسمانی ضروریات کا تعلق ہے قرآن نے روٹی، کپڑا، مکان وغیرہ کو ان میں شامل کیا ہے (دیکھئے ۲۰/۱۱۸)

لہٰذا اسلامی آئین کی اگلی شق یہ ہوگی۔

مملکت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات فرد ہے۔ مملکت فرد کی انفرادیت کے تحفظ اور اسکی ذات کے استحکام کا ذریعہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے مملکت ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کریگی جنہیں انسانوں کے ضمن میں خدا نے اپنے ذمہ رکھا ہے۔ ان میں رزق (سامانِ زلیست) کی بہم رسانی سب سے مقدم ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے مملکت ایسا انتظام کریگی جس سے تمام افرادِ مملکت کو ان کی اور ان کے بیوی بچوں کی بنیادی ضروریاتِ زندگی باطمینان ملتی رہیں۔ اور کوئی فرد ان سے محروم نہ رہے۔ نیز مملکت وہ تمام اسباب و ذرائع بہم پہنچائے گی جن سے ہر فرد کی ذات کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پا سکیں۔

وسائلِ پیداوار

ظاہر ہے کہ مملکت ان عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہیں ہو سکتی جب تک وسائلِ پیداوار مملکت کی تحویل میں نہ ہوں۔ قرآن کریم نے وسائلِ پیداوار (ارض) کو تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رکھنے کے لئے کہا ہے (سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۴۱/۱۰) اور (مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ۔ ۵۶/۷۳) "بھوکوں کے لئے متاعِ حیات" قرار دیا ہے۔ وسائلِ پیداوار کے علاوہ، فاضلہ دولت بھی اصلاً مملکت کی تحویل میں رہتی ہے۔ (اصلاً سے مراد یہ ہے کہ اساسی طور پر وہ مملکت کی تحویل میں ہوتی ہے لیکن مملکت اپنی انتظامی سہولتوں کے لئے چاہے تو اسے افراد کے پاس بطور امانت رکھ سکتی ہے) فاضلہ دولت کے ضمن میں سورۂ بقرہ میں ہے۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹)۔ "تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم (دوسروں کے لئے) کس قدر دولت کھلی رکھیں۔ ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضروریات سے زائد ہے سب"۔ اسلامی مملکت میں نہ وسائلِ رزق کسی کی ذاتی ملکیت میں رہتے ہیں اور نہ فاضلہ دولت۔ مملکت کے پاس بھی یہ چیزیں بطور امانت رہتی ہیں تاکہ وہ انہیں قرآنی

اصولوں کے مطابق صرف کرے۔

لہٰذا اسلامی آئین کی اگلی شق یہ ہوگی کہ

مذکورہ صدر ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مملکت کے ذرائع پیداوار مملکت کی تحویل میں ہوں۔ اور فاضلہ دولت افراد کی ملکیت متصور نہ ہو۔ یہ سب بطور امانت مملکت کی تحویل میں رہیں تاکہ مملکت انہیں نوعِ انسانی کی نشو و نما کے کام میں لگائے۔ بالفاظ دیگر مملکت میں قرآن کریم کا نظامِ ربوبیت نافذ ہو۔[1]

بابِ نہم

افراد اور مملکت کا تعلّق

چونکہ مملکت کا فریضہ ان تمام ذمہ داریوں کا پورا کرنا ہے جو انسانوں کے سلسلہ میں خدا نے اپنے اوپر لے رکھی ہیں، اس لئے افراد مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ خدا نے جو واجبات ان پر عاید کر رکھے ہیں، وہ مملکت کو ادا کریں۔ اس سلسلہ میں قرآن نے، مملکت اور افراد کا تعلق ایک معاہدہ کی رُو سے قائم کیا ہے جو بڑا جامع ہے سورۂ توبہ میں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۹)

یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کے نفوس اور اموال جنت کے عوض خرید لئے ہیں

یعنی افرادِ مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی جان اور مال، حکومتِ خداوندی کی امانت سمجھیں اور مملکت کی ذمہ داری یہ ہے کہ ان کے لئے ایسا انتظام کرے کہ انہیں یہاں بھی جنتی زندگی میسر ہو اور آخرت میں بھی۔ اس معاہدہ کو اسلامی آئین کے اندر شامل ہونا چاہیئے لہٰذا اس آئین کی اگلی شق یہ ہوگی کہ

افرادِ مملکت، اپنے جان اور مال کو مملکت کی امانت سمجھیں گے کہ وہ انہیں عند الضرورت احکامِ خداوندی کے مطابق طلب کرے۔ اور مملکت ایسا انتظام کریگی جس سے انہیں اس دُنیا اور آخرت دونوں میں جنت کی زندگی میسر ہو جائے۔ یہ معاہدہ جانبین کی طرف سے مساوی ہوگا۔

---

[1] قرآن کے معاشی نظام کی تفصیل الگ پمفلٹ میں بیان کی گئی ہے۔

باب دہم

بنیادی حقوق

مملکت میں افراد کو کون سے بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں؟ اس سوال نے ہمارے زمانے میں بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے۔ اس ضمن میں، مختلف آئینی مملکتوں کے دساتیر میں بنیادی حقوق کی فہرست شامل ہوتی ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنے خاص منشور میں ان حقوق کی تصریح کر رکھی ہے۔ لیکن کسی مملکت کا آئین ہو یا اقوام متحدہ کا منشور، ان میں تمام بنیادی حقوق مشروط ہوتے ہیں قرآن کریم میں یہ حقوق بطور اقدار (VALUES) دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر اقدار مستقل یا مطلق ہیں اور کچھ اضافی۔ مستقل اقدار سے مراد ہیں ایسے حقوق جو غیر مشروط ہیں اور اضافی اقدار سے مفہوم، مشروط حقوق ہیں۔ مثلاً رزق (سامانِ زیست) کا ملنا ایک مستقل قدر ہے۔ یہ ہر فرد مملکت کو بلا شرط ملے گا۔ کوئی فرد کسی حالت میں بھی اس سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔ اس کے برعکس جان کی حفاظت، اضافی قدر ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بے گناہ کو قتل کر دے گا تو اس جرم کی پاداش میں اسے سزائے موت دی جائیگی۔ اس سے مستقل اقدار اور اضافی اقدار کا فرق سمجھ میں آجائے گا۔ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) قرآن کریم میں بیشتر اقدار مستقل ہیں اور کچھ اقدار اضافی۔ ان اقدار کو الگ مقالہ میں تفصیل سے لکھا گیا ہے جس کا پمفلٹ بعد میں شائع کیا جائے گا۔ اس وقت بغرض تعارف، ان اقدار کی مختصر فہرست اس پمفلٹ کے آخر میں دیدی گئی ہے۔

لہذا اسلامی مملکت کے آئین کی ایک شق یہ ہوگی کہ

> افراد مملکت کو وہ تمام بنیادی حقوق حاصل ہوں گے جن کی تفصیل قرآن کریم میں دیگئی ہے (اور جسے الگ فہرست میں درج کر دیا گیا ہے)۔ ان میں سے جو حقوق مشروط ہیں انکی شرائط بھی وہی ہونگی جو قرآنی اصولوں کی روشنی میں متعین کی جائیں گی۔

باب یازدہم

غیر مسلموں کی پوزیشن

اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلموں کی پوزیشن کا سوال بڑا اہم ہے۔ اس لئے اسے اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دنیا

کی مروّجہ سیاست میں، قومیت کی تشکیل، وطن یا نسل کے اشتراک سے کی جاتی ہے۔ بالخصوص وطن کے اشتراک سے۔ یعنی ایک ملک کے بسنے والے تمام افراد، بلاتمیز مذہب ایک قوم بن جاتے ہیں۔ لیکن قرآن کی رُو سے، قوم کی تشکیل، آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ یعنی جو لوگ اسلامی آئیڈیالوجی کو تسلیم کریں وہ ایک قوم کے افراد۔ اور جو لوگ اس آئیڈیالوجی پر ایمان نہ رکھیں، وہ اس قوم کے دائرے سے باہر خواہ وہ اسی ملک میں کیوں نہ بستے ہوں۔ قرآن نے نوعِ انسان کی تفریق اسی معیار کے مطابق کی ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ (۶۴/۲) اللہ وہ ہے جس نے تم (تمام انسانوں) کو پیدا کیا۔ سو تم میں سے کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن۔ وہ اپنی آئیڈیالوجی کی دعوت کو عام کرتا ہے۔ یعنی وہ اس دعوت کو دنیا کے تمام انسانوں کے سامنے بلالحاظ رنگ، نسل، وطن، زبان، مذہب یکساں طور پر پیش کرتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ وہ اس آئیڈیالوجی پر خود غور و فکر کریں اور اس کے بعد اگر، علیٰ وجہ البصیرت اور بطیبِ خاطر (یعنی دل اور دماغ کی رضامندی سے) سمجھیں کہ یہ آئیڈیالوجی ان کے لئے قابلِ قبول ہے۔ تو اسے قبول کرلیں اور اگر ایسا نہ سمجھیں تو اسے مسترد کردیں۔ اس میں کسی قسم کا جبر۔ داکراہ نہیں ہوگا۔ (لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۲/۲۵۶) یہ بھی قرآن کی مستقل قدر یا افرادِ مملکت کا بلاشروط حق ہے۔ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ. فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا. وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ (۳۹/۴۱)

ہم نے تجھ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو تمام انسانوں کے لئے (یکساں طور پر کھلی ہے)۔ سو جو شخص (اسے قبول کرکے) سیدھی راہ پر چلے گا تو اس کا فائدہ خود اسے پہنچے گا۔ اور جو غلط راستہ اختیار کریگا تو اس کا نقصان خود بھگتے گا۔ اے رسول! تو ان کے فیصلے اور عمل کا ذمہ دار نہیں۔ (نہ ہی ان پر داروغہ مقرر کیا گیا ہے کہ انہیں زبردستی صحیح راستے پر لائے)۔

اس سے قرآن نے، اسلامی ملت میں شامل ہونے اور اسلامی مملکت میں شریک کار بننے کے لئے دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے کہ جس کا جی چاہے اندر داخل ہو جائے۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (۷۶/۲۹)۔ "جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے"۔ اس "اذنِ عام" کے بعد اگر کوئی شخص اس کے اندر آنا نہیں چاہتا تو وہ اپنے عمل کا آپ ذمہ دار ہے۔ سورۂ فاطر میں اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے جہاں کہا ہے کہ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ۔ "اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں حکومت عطا کی ہے"۔ فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْهِ کُفْرُهٗ۔ اگر کوئی شخص اس آئین و دستور کو نہیں مانتا جس پر اس حکومت کی عمارت استوار ہے تو اس کے لئے وہ خود ذمہ دار ہے۔ اس آئینِ مملکت (اسلامی آئیڈیالوجی) کو تسلیم نہ کرنے سے اگر وہ کسی قسم کے نقصان میں رہتا ہے تو اسے اس کی شکایت نہیں کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ خود کردہ را علاجے نیست۔ فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْهِ کُفْرُهٗ۔ یہ تو ہو نہیں سکتا

کہ ایک شخص کسی آئیڈیالوجی کو تسلیم نہ کرے لیکن اُسے تسلیم کرنے والوں کو جو مفاد حاصل ہیں ان میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کے انکار سے اسے کچھ نقصان ہوتا ہے تو اسے اس نقصان کو برداشت کرنا ہوگا وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ کُفۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ کُفۡرُهُمۡ اِلَّا خَسَارًا (۳۵/۳۹)

اس انکار سے انھوں نے خیر و برکت کے جو دروازے اپنے اوپر بند کر لئے ہیں۔ اس کے نقصان کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ اس کا افسوس ضرور ہے (یَا حَسۡرَةً عَلَی الۡعِبَادِ۔ ۳۶/۳۰) لیکن اس کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ علاج خود ان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے وہ جس وقت بھی اپنی غلطی کو محسوس کریں۔ اس کا ازالہ کرلیں۔ اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کرلیں اور بلا روک ٹوک اس کے اندر داخل ہو جائیں۔

انھیں شریکِ راز نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا اسلامی مملکت میں بسنے والوں میں سے جو لوگ اسلامی آئیڈیالوجی کو تسلیم نہ کریں، انھیں شریکِ حکومت نہیں کیا جاسکتا۔ اس باب میں قرآنِ کریم نے مختلف مقامات پر اس شرح و بسط سے وضاحت کر دی ہے کہ اس کے اس تصور کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہیں آسکتی۔ شریکِ حکومت کرنا تو ایک طرف، وہ انھیں شریکِ راز بھی نہیں کرسکتا۔ سورۂ آلِ عمران میں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِکُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَکُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۚ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَکۡبَرُ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۔ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا یُحِبُّوۡنَکُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ کُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَیۡکُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَیۡظِکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۔ اِنۡ تَمۡسَسۡکُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫ وَاِنۡ تُصِبۡکُمۡ سَیِّئَةٌ یَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا یَضُرُّکُمۡ کَیۡدُهُمۡ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ (۳/۱۱۷–۱۱۹)

اے ایمان والو! اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے جس بات سے تمہیں نقصان اور مصیبت پہنچے وہ اسے دل سے پسند کرتے ہیں۔ ان کے سینے کے اندر چھپے ہوئے جذباتِ بغض و عناد میں سے بعض اوقات کچھ (بے اختیار) ان کی زبان سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو ان کے سینے کے اندر چھپے رہتے ہیں وہ ان ظاہر ہو جانے والوں کے مقابلہ میں کہیں بڑھ کر ہیں ہم نے تمام باتیں اچھی طرح واضح کر دی ہیں۔ اگر تم عقل و فکر سے کام لوگے تو ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری

نہیں ہوگی)

ذرا سوچو تو سہی! کیا تم ان لوگوں سے محبت کرو گے جو تم سے کبھی محبت نہیں کرتے۔ حالانکہ تم (اپنی اور انکی) تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب یہ لوگ تم سے ملنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی (تمہاری آئیڈیالوجی کو) صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو غصے کے مارے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ ان سے کہو کہ جاؤ! اپنے غصے (کی آگ میں) جل مرو۔ اللہ تمہارے سینوں کے اندر چھپے ہوئے جذبات تک سے واقف ہے۔ اگر تمہاری حالت بہتر ہو جائے تو یہ چیز انہیں سخت ناگوار گذرتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ یاد رکھو! اگر تم استقامت سے رہو گے اور ان مخالفین سے اپنی حفاظت کا سامان کرتے رہو گے تو ان کی کوئی سازش تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ اللہ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں (مثلاً ۳/۲۸، ۶۰/۱-۳؛ ۹/۲۳-۲۴ وغیرہ)

یہ تنگ نظری نہیں

حیرت ہے کہ بعض حلقوں میں اس نظریہ کو قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے اور اسے "تنگ نظری" پر محمول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کوئی نظام جو آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر استوار ہو، ان لوگوں کو کبھی شریک حکومت نہیں کر سکتا جو اس آئیڈیالوجی کے مخالف ہوں۔ آئیڈیالوجی تو خیر بہت بڑی چیز ہے۔ عام جمہوری حکومتوں میں جو پارٹی برسر اقتدار ہو وہ مخالف پارٹی کے افراد کو شریک حکومت نہیں کرتی۔ اسلام کے معاملہ میں بات اس سے بھی کہیں آگے بڑھ جاتی ہے۔ اسلامی مملکت کا آئین درحقیقت اس کی آئیڈیالوجی ہوتا ہے۔ جو لوگ اس آئیڈیالوجی کو نہیں مانتے وہ اس مملکت کے آئین کو تسلیم نہیں کرتے۔ اب سوچئے کہ دنیا میں کوئی مملکت ایسی بھی ہو سکتی ہے جو ان لوگوں کو شریک حکومت کرے جو اس کے آئین کو تسلیم نہ کریں! کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی کہ اسلامی مملکت کا مقصد اور نصب العین تو قوانین خداوندی کی عملاً "تنفیذ" ہو اور اس مقصد کے حصول میں ان لوگوں کو شریک کر لیا جائے جو خود اس مقصد ہی کے خلاف ہوں؟

غیر مسلموں سے حسن سلوک

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں کوئی حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔ انہیں وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جنہیں قرآن کریم انسانوں کے لئے بنیادی حقوق قرار دیتا ہے۔ ان کی جان، مال، عزت، عبادت گاہیں سب محفوظ ہوں گی انہیں شخصی مذہب کی آزادی ہوگی۔ ان سے حسن سلوک کیا جائے گا (۶۰/۸) ان سے ہر حال میں عدل کیا جائے گا۔ (۵/۸) حقیقت یہ ہے کہ ایک لحاظ سے یہ مسلمانوں سے بھی زیادہ فائدہ میں رہیں گے کہ "گائے کے سینگ مسلمانوں کے سپرد ہوں گے اور اس کے دودھ میں یہ غیر مسلم بھی برابر کے حصہ دار ہوں گے۔" دشمن حملہ آور ہوگا تو مسلمان فوجیں اپنے سینوں پر گولیاں کھا کر غیر مسلموں کی پرستش گاہوں کی حفاظت کریں گی۔ (۲۲/۴۰)

اگر یہ ترکِ وطن کرنا چاہیں

ان تمام مراعات کے باوجود، اگر غیر مسلم ترکِ وطن کرنا چاہیں تو انھیں ان کے مامن تک بحفاظت پہنچانے کا انتظام اسلامی مملکت کے ذمہ ہوگا۔ قرآن میں ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (۹/۶)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی تمہارے پاس پناہ لے تو اسے پناہ دو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر (اگر وہ کہیں اور جانا چاہے تو) اسے اس کے امن کی جگہ تک پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ یہ بات سمجھتے نہیں (کہ قرآن کریم کے ماتحت زندگی بسر کرنے سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں)۔

لیکن اگر وہ اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے اس کے آئین سے سرکشی برتیں تو انھیں بغاوت کی سزا ملے گی (۵/۳۳) بغاوت کی سزا مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے یکساں ہے۔

لہذا اسلامی آئین کی ایک شق یہ ہوگی کہ

مملکت میں بسنے والے غیر مسلم، امورِ مملکت میں شریک نہیں کئے جا سکیں گے۔ کیونکہ وہ اسلامی آئین کو تسلیم نہیں کرتے اور اس وجہ سے مسلم قوم کے افراد نہیں بننا چاہتے۔ لیکن ان لوگوں کو تمام بنیادی حقوقِ انسانیت حاصل ہوں گے۔ ان کی جان، مال، آبرو، پرستش گاہیں محفوظ ہونگی۔ انھیں شخصی مذہبی آزادی ہوگی۔ ان سے عدل و انصاف کرنے میں، ان میں اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں کی جائے گی۔

اس کے باوجود اگر یہ لوگ کسی ایسی مملکت کی طرف مستقل طور پر منتقل ہونا چاہیں جو انھیں اپنے ہاں بسانے پر آمادہ ہو تو اسلامی مملکت انھیں ان کے مامن تک بحفاظت پہنچانے کا انتظام کرے گی۔

لیکن اگر یہ مملکت کے اندر رہتے ہوئے اس کے آئین و قوانین سے سرکشی برتیں گے تو انھیں اس بغاوت کی وہی سزا دی جائے گی جو مسلمان باغیوں کے لئے مقرر ہوگی۔

باب دوازدہم

بین الاقوامیت

عالمگیر برادری

اسلامی مملکت ابتداءً ایک خاص خطۂ زمین میں قائم ہوتی ہے تاکہ یہ زمین، قوانین خداوندی کی عملاً نتیجہ خیزی کے لئے تجربہ گاہ بن سکے۔ اس تجربے سے جو خوشگوار اور انسانیت ساز نتائج مرتب ہوتے ہیں، وہ اس خطۂ زمین تک محدود نہیں رہتے۔ ان کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ نظام پوری نوع انسان کے لئے آیۂ رحمت ہے۔ اس کا مقصدِ عظیم تمام نوع انسان کے باہمی اختلافات مٹا کر اسے ایک عالمگیر برادری بنانا ہے۔ خدا کی طرف سے سلسلۂ رشد و ہدایت کی غرض و غایت یہی تھی۔ اور یہی اب قرآن کا مقصود ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (۲/۲۱۳)

تمام انسان (درحقیقت) ایک برادری کے افراد ہیں (لیکن یہ آپس میں اختلاف کرنے کی وجہ سے مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ۱۰/۱۹)۔ سو اللہ نے انبیاء کو مبعوث کیا جو انہیں غلط راستوں کی تباہیوں سے آگاہ کرنے والے اور صحیح راستے کی خوشگواری کی خوشخبری دینے والے تھے۔ اور ان کے ساتھ اللہ نے حق کے ساتھ ضابطہ قوانین بھی بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی معاملات میں حق و صداقت کے ساتھ فیصلہ کرے (اور اس طرح انہیں پھر سے امتِ واحدہ بنا دے)

انسانی مساوات

اس نے تمام نوع انسان کو واضح الفاظ میں بتا دیا کہ خون، رنگ، نسل وغیرہ کے امتیازات، جو ان کے امتِ واحدہ بننے کی راہ میں بری طرح سے حائل ہیں، انسانوں کے خود ساختہ ہیں۔ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ (۴/۱)۔ "ہم نے تم سب کو ایک جرثومۂ حیات سے پیدا کیا" حتیٰ کہ اس میں مرد اور عورت میں بھی کوئی فرق نہیں۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (۴/۱)۔ "اور اس جرثومۂ حیات سے اس کا جوڑ پیدا کیا۔ اور ان سے پھر کثیر تعداد میں مرد اور عورت (سطحِ ارض پر) پھیلا دیئے"۔ پیدائش کے اعتبار سے ہر انسانی بچہ یکساں طور پر

احترامِ آدمیت

واجب التکریم ہے (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔ ۱۷/۷۰)۔ اس لئے کہ ہر انسانی بچہ انسانی ذات کا حامل ہے (۳۲/۹)۔ اسلامی مملکت کے قیام کا مقصد ساری دنیا میں عدل کا

نظامِ عدل و امن

قیام ہے لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۲۵/۵۷) "تاکہ نوعِ انسان انصاف پر قائم رہے" اور قیامِ امن بھی۔ (وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۔ ۲/۶۰ دنیا میں فساد پھیلاتے ہوئے حد سے نہ بڑھو)۔ جو جماعت اس مملکت کے قیام کا باعث بنتی ہے، اسے جماعتِ مومنین کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں وہ جماعت جو دنیا میں قیامِ امن کی ضامن ہو۔ اس نظام کے دوام و استمرار کے لئے یہ اصول بتایا گیا کہ

وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (۱۳/۱۷)

اور جو چیز تمام نوعِ انسان کے لئے منفعت بخش ہوتی ہے اسے ہی زمین میں بقا نصیب ہوتی ہے

ربوبیتِ عالمینی

اسی لئے "ربوبیتِ عالمینی" ـــ تمام نوعِ انسان کی نشوونما ـــ اس نظامِ خداوندی کا مقصود بتایا گیا۔ (۱/۲) جہاں ان مقاصد کے حصول کے لئے دنیا کی جو قومیں کسی قسم کی کوشش کریں گی، یہ مملکت ان سے تعاون کرے گی۔ اس کے خلاف اقدامات میں وہ کسی سے تعاون نہیں کرے گی۔ (وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۵/۲)۔ یہ مملکت اپنے تجربہ کے درخشندہ نتائج کی روشنی میں، ان مقاصد کو عام کرتی جائے گی۔ تا آنکہ

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا (۳۹/۶۹)

زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی

لہٰذا اس آئین کی ایک بنیادی شق یہ ہوگی کہ

اس مملکت کے قیام کا منتہیٰ یہ ہے کہ

(۱) نوعِ انسان کے موجودہ اختلافات کو مٹا کر انہیں ایک عالمگیر برادری (امتِ واحدہ) کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ اس کی عملی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کا ضابطۂ حیات اور نظامِ زندگی ایک ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ ضابطۂ حیات، خدا کے عطا فرمودہ ابدی اصولوں کے سوا اور کونسا ہو سکتا ہے؟

(۲) دنیا میں امن اور عدل کا نظام قائم کیا جائے جو انسانی مساوات اور احترامِ آدمیت کے اصولوں پر مشتمل ہو۔

(۳) ساری دنیا میں خدا کے نظامِ ربوبیت کو رائج کیا جائے تاکہ ہر فرد کی جسمانی پرورش اور اس کی ذات کی نشوونما کا اطمینان بخش انتظام ہو۔

(۴) فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے ان کے ماحصل کو نوع انسان کی منفعت کے لئے عام کیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے پاکستان کی سرزمین کو تجربہ گاہ بنایا جائے تاکہ اسلامی آئین اور نظام کے درخشندہ نتائج دنیا کے سامنے آسکیں اور اس طرح اقوام عالم اس نظام کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کرلیں۔ جو اقوام ان بلند مقاصد کے حصول میں کوئی عملی اقدامات کرینگی انہیں مملکتِ پاکستان کا تعاون حاصل ہوگا۔

حرفِ آخر

یہ ہیں اس آئین کے بنیادی اصول جنہیں قرآن کریم اسلامی مملکت کا اساسی ضابطہ قرار دیتا ہے۔ اس آئین کے علاوہ کوئی اور آئین میزانِ خداوندی میں قابلِ قبول قرار نہیں پاسکتا۔ اس لئے کہ یہ آئین ان اصولوں پر مبنی ہے جن کے مطابق کائنات کا یہ کارگہِ عظیم اس حسن وخوبی سے سرگرمِ عمل ہے۔ قرآن میں ہے اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ۔ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور ضابطۂ حیات اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (۳/۸۲)۔ "کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب طوعاً و کرہاً اس کے قوانین کے سامنے سجدہ ریز ہے" انسان کو اس کا تو اختیار ہے کہ وہ جی چاہے تو خدا کے قوانین کو بطور ضابطہ زندگی اختیار کرلے اور چاہے تو اپنے خود ساختہ قوانین کے تابع زندگی بسر کرے۔ لیکن اسے اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ

مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (۳/۸۴)

جو کوئی الاسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کا وہ دین (آئین) میزانِ خداوندی میں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ اور وہ بآخر الامر دیکھ لے گا کہ وہ کس قدر نقصان میں رہا۔

یہ آئین قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہے۔ لہٰذا اسلامی مملکت کا ضابطۂ حیات قرآن کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ نہ ہی اس مملکت میں کوئی ایسا نظریہ، تصور، یا قانون بار پاسکتا ہے جو قرآنی اصولوں کے خلاف ہو۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۔ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (۶/۱۱۵)

کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں۔ حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک واضح ضابطۂ قوانین نازل کر دیا ہے۔ جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ سو تو اس باب میں جھگڑا کرنے والوں میں سے مت ہو۔

اس آئین کے اصول ہر طرح سے مکمل ہیں اور ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ (۶/۱۱۶)

اور تیرے رب کی بات صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئی۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہی آئین خدا کی ابدی حقیقتوں پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں نے جو آئین و ضوابط بھی مرتب کئے ہیں وہ حقیقت کے متعلق ظن و قیاس پر مبنی ہیں۔ خواہ ان کے متبعین کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ملتِ اسلامیہ، خدا کے دیئے ہوئے الدین کے سوا کسی اور آئین کا اتباع نہیں کر سکتی۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۔ (۶/۱۱۷)

اگر تو ان لوگوں کی بات مانتا جائے جو دنیا میں اکثریت میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دینگے۔ وہ (خود) ظن و تخمین کا اتباع کرتے ہیں اور محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں (اس لئے ان کے پیچھے لگنے والے بھی اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے رہتے ہیں)

اس لئے آئینِ خداوندی کو چھوڑ کر دیگر اقوام کے آئین و ضوابط کا اتباع کرنا، مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری اقوام کے تجربوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے لیکن ان کے ہاں کی کوئی ایسی چیز قبول نہیں کی جا سکتی جو قرآن کریم کے آئین اور نظام کے خلاف ہو۔ اسلامی آئین کی اصل و بنیاد صرف خدا کی کتاب ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۲۱/۱۰۸)

اسلامی آئین کی دفعات

اسلامی آئین کی جس قدر شقیں سابقہ صفحات میں دی گئی ہیں۔ انھیں ذیل میں یک جا درج کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس آئین کی پوری تصویر بیک نظر سامنے آجائے۔

(۱) مملکت میں اقتدار اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی کو اقتدار و اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

(۲) عملاً اقتدار اعلیٰ قرآن کریم کو حاصل ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مملکت میں حکومت قرآن کریم کے مطابق قائم کی جائے گی۔ اور اس کے خلاف کوئی فیصلہ قابل نفاذ نہیں ہوگا۔

(۳) قرآن کریم کے مطابق حکومت کا قیام ملت اسلامیہ کا مشترکہ فریضہ ہوگا۔ اور یہ فریضہ ان کے باہمی مشورہ سے سرانجام پائے گا۔

(۴) مملکت میں پوری کی پوری ملت ایک جماعت کی حیثیت سے حکومت کی تشکیل کرے گی۔ اور ملک میں پارٹیوں اور فرقوں کا وجود قطعاً ممنوع ہوگا۔

(۵) یوں تو افراد ملت میں مساوات ہوگی۔ لیکن تقسیم عمل کے اصول کے مطابق امور مملکت ان لوگوں کو تفویض کئے جائیں گے جن میں ان کے سرانجام دینے کی اہلیت ہوگی۔ اہلیت کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں متعلقہ امور کی سرانجام دہی کی صلاحیت کس قدر ہے اور ان کی زندگی کس حد تک قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اس باب میں معیار انتخاب صرف جوہر ذاتی اور بلندیٔ کردار ہوگا۔ یعنی ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام دیا جائے گا۔

(۶) امور مملکت کی سرانجام دہی کے لئے، صدر مملکت اور اس کی مجلس شوریٰ پر مشتمل مرکز ہوگا۔ اس مرکز کے ماتحت عمال ہونگے جنہیں مرکز کی طرف سے اختیارات تفویض کئے جائیں گے۔ ماتحت عمال کے فیصلوں کے خلاف افراد ملت کو اپیل کا حق ہوگا لیکن مرکز کا فیصلہ آخری اور قطعی سمجھا جائے گا۔

صدر مملکت، اس کی مجلس شوریٰ کے ارکان (یعنی وزرائے کابینہ) ارکان مجلس مقننہ (پارلیمان) متعلقین ہیئت اجرائیہ (ارباب حکومت) اور افسران ماتحت پر اور ان دیگر افراد پر جو کسی انداز سے امور مملکت کی سرانجام دہی سے متعلق ہوں حسب ذیل شرائط کا اطلاق ہوگا۔

(۱) قرآن کریم کے اصول و احکام سے واقفیت۔

(۲) متعلقہ امور کے سرانجام دینے کی اہلیت۔ اس میں علوم حاضرہ بھی شامل ہیں۔

(۳) صالحیت۔ یعنی سیرت و کردار کی پاکیزگی۔

(۴) ذاتی جذبات و مفاد سے بلند ہو کر معاملات کی سرانجام دہی کی صلاحیت۔

(۵) عاقل، بالغ، اور تندرست ہونا۔

اگر کوئی شخص، کسی وقت، ان شرائط میں سے کسی شرط پر پورا نہ اترے تو جس طریق سے اس کا انتخاب یا تقرر عمل میں آیا تھا، اسی طریق سے اسے معطل یا برطرف کیا جا سکتا ہے۔

(۷) مملکت کی مجلسِ مقننہ، قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کی ضرورتوں کے مطابق جزئی قوانین مرتب کرنے کا اختیار رکھے گی۔ ان اصولوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جا سکے گی۔ البتہ ان کی حدود کے اندر جو جزئی قوانین باہمی مشاورت سے مرتب ہوں گے، عند الضرورت ان میں ترمیم و تنسیخ یا حک و اضافہ ہو سکے گا۔ ملک میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہو گا جو قرآنی حدود سے ٹکرائے۔

(۸) مملکت کا پورا کاروبار عدل کے بنیادی اصول کے مطابق طے پائے گا۔ عدل سے مختصراً مراد یہ ہے کہ

(i) تمام انسانوں کو پیدائش کے لحاظ سے یکساں واجب التکریم سمجھا جائے۔

(ii) ہر ایک کی صلاحیتوں کی نشوونما کیلئے یکساں ذرائع اور مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

(iii) معاشرہ میں ہر ایک کی پوزیشن اس کی ذاتی صلاحیتوں کی رُو سے متعین کی جائے۔

(iv) ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق کام دیا جائے۔

(v) کسی کو بنیادی حقوق سے محروم نہ کیا جائے۔

(vi) مجرم کو اس کے جرم کی سزا ملے۔ اور سزا باندازۂ جرم ہو۔ اور جہاں اصلاح کا امکان ہو وہاں سزا سے معافی دیدی جائے۔

(vii) ہر شخص اپنا اپنا بوجھ خود اٹھائے۔

(viii) نہ کوئی تم پر زیادتی کرے نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ اور

(ix) تمام متنازعہ فیہ امور کے فیصلے اس قانون کی رُو سے طے پائیں جو قرآن کریم کے اصولوں پر متفرع ہو۔

جو ادارہ (عدلیہ) نظامِ عدل کے قیام کا ذمہ دار ہو گا وہ ہر قسم کے خارجی اثر یا دباؤ سے آزاد ہو گا۔ عدالتِ عالیہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا تقرر پارلیمان کی تصویب سے ہو گا

عدل کا حصول بلا معاوضہ ہو گا اور حکومت کی طرف سے مفتی مقرر ہوں گے جو لوگوں کو بتائیں گے کہ قانون کی رو سے ان کے دعوے یا مطالبہ کی پوزیشن کیا ہے؟

(۹) مملکت مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات فرد ہے۔ مملکت فرد کی انفرادیت کے تحفظ اور اس کی ذات کے استحکام کا ذریعہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے مملکت ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے گی جنہیں انسانوں کے ضمن میں خدا نے اپنے اوپر لے رکھا ہے۔ ان میں رزق (سامانِ زیست) کی بہم رسانی سب سے مقدم ذمہ داری ہے جس کیلئے مملکت ایسا انتظام کرے گی جس سے تمام افرادِ مملکت کو (اور ان کے بیوی بچوں کی) بنیادی ضروریاتِ زندگی باطمینان ملتی رہیں اور کوئی فرد ان سے محروم نہ رہے۔ نیز مملکت وہ تمام اسباب و ذرائع بہم پہنچائے گی جن سے ہر فرد کی ذات کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پا سکیں۔

(۱۰) مذکورہ صدر ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے ذرائع پیداوار مملکت کی تحویل میں ہوں اور فاضلہ دولت افراد کی ملکیت متصور نہ ہو۔ یہ سب بطور امانت مملکت کی تحویل میں رہیں تاکہ مملکت انھیں نوع انسانی کی نشو و نما کے کام میں لائے۔ بالفاظ دیگر مملکت میں قرآن کریم کا نظامِ ربوبیت نافذ ہو۔

(۱۱) افراد مملکت اپنے جان اور مال کو مملکت کی امانت سمجھیں گے کہ وہ انھیں عندالضرورت احکامِ خداوندی کے مطابق طلب کرے۔ اور مملکت ایسا انتظام کرے گی جس سے انھیں اس دنیا اور آخرت دونوں میں جنت کی زندگی میسر ہو جائے۔ یہ معاہدہ جانبین کی طرف سے مساوی ہوگا۔

(۱۲) افراد مملکت کو وہ تمام بنیادی حقوق حاصل ہوں گے جن کی تفصیل قرآن کریم میں دی گئی ہے (اور جسے الگ فہرست میں درج کر دیا گیا ہے) ان میں سے جو حقوق مشروط ہیں، ان کی شرائط بھی وہی ہونگی جو قرآنی اصولوں کی روشنی میں متعین کی جائینگی۔

(۱۳) مملکت میں بسنے والے غیر مسلم امور مملکت میں شریک نہیں کئے جاسکیں گے کیونکہ وہ اسلامی آئیڈیالوجی کو تسلیم نہیں کرتے اور اس وجہ سے مسلم قوم کے افراد نہیں بننا چاہتے لیکن ان لوگوں کو تمام بنیادی حقوقِ انسانیت حاصل ہوں گے۔ ان کے جان، مال، آبرو، پرستش گاہیں محفوظ ہونگی۔ انھیں شخصی مذہب کی آزادی ہوگی ان سے عدل و انصاف کرنے میں ان میں اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں کی جائے گی۔

اس کے باوجود اگر یہ لوگ کسی ایسی مملکت کی طرف مستقل طور پر منتقل ہونا چاہیں جو انھیں اپنے ہاں بسانے پر آمادہ ہو، تو اسلامی مملکت انھیں ان کے مامن تک بحفاظت پہنچانے کا انتظام کرے گی۔

لیکن اگر یہ مملکت کے اندر رہتے ہوئے اس کے آئین و قوانین سے سرکشی برتیں گے تو انھیں اس بغاوت کی وہی سزا دی جائے گی جو مسلمان باغیوں کے لئے مقرر ہوگی۔

(۱۴) اس مملکت کے قیام کا منتہیٰ یہ ہے کہ

(۱) نوع انسان کے موجودہ اختلافات کو مٹا کر انھیں ایک عالمگیر برادری (امتِ واحدہ) کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ اس کی عملی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کا ضابطہ حیات اور نظامِ زندگی ایک ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ضابطۂ حیات خدا کے عطا فرمودہ ابدی اصولوں کے سوا اور کونسا ہو سکتا ہے؟

(۲) دنیا میں امن اور عدل کا نظام قائم کیا جائے جو انسانی مساوات اور احترامِ آدمیت کے اصولوں پر مشتمل ہو۔

(۳) ساری دنیا میں خدا کے نظامِ ربوبیت کو رائج کیا جائے تاکہ ہر فرد کی جسمانی پرورش اور اسکی ذات کی نشو و نما کا اطمینان بخش انتظام ہو۔

(۴) فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے ان کے ماحصل کو نوع انسان کی منفعت کے لئے عام کیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے پاکستان کی سرزمین کو تجربہ گاہ بنایا جائے تاکہ اسلامی آئین اور نظام کے درخشندہ نتائج دنیا کے سامنے آسکیں اور اس طرح اقوام عالم اس نظام کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کر لیں۔ جو اقوام ان بلند مقاصد کے حصول میں کوئی عملی اقدامات کریں گی، انھیں مملکتِ پاکستان کا تعاون حاصل ہوگا۔

بنیادی حقوق

(مستقل اقدار)

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، قرآن کریم نے بنیادی حقوقِ انسانیت کو مستقل اقدار کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ یعنی ایسی اقدار جنہیں کسی شرط اور کسی قیمت پر بھی ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں غیر مشروط بنیادی حقوق کہا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ حقوق جن سے کسی فرد کو محروم نہیں کیا جا سکتا اور جسے ہر فرد (بطورِ استحقاق) مملکت سے طلب کر سکتا ہے اور جن کی عدم ادائیگی کی صورت میں مملکت مجرم قرار پاتی ہے اور جن کے انکار سے وہ اسلامی مملکت نہیں کہلا سکتی۔ ان اقدار کا تفصیلی تعارف ایک الگ پمفلٹ میں کرایا گیا ہے لیکن ذیل میں ان کی مجمل فہرست دی جاتی ہے جس سے اس کا اندازہ ہو سکے گا کہ اسلامی آئین کے مطابق، عام انسانوں کو کس قسم کے حقوق مستقلاً حاصل ہوتے ہیں۔ فہرست میں صرف عنوانات دیئے گئے ہیں اور ان کے سامنے قرآنی آیات کے حوالے۔

۱۔ **انسانی ذات**۔ مستقل اور بنیادی قدر ہے اور اس کی نشو و نما انسانی زندگی کا مقصد (۹۱/۱۰-۹) اسلامی مملکت کا وجود افرادِ انسانیہ کی ذات کی نشو و نما کے لئے ہے۔ اسے قرآن نے "روحِ خداوندی" کہہ کر پکارا ہے (۳۲/۹) یہی چیز انسان کو حیوانات سے متمیز کرتی ہے اور اسی کی وجہ سے انسان شرفِ مسجودیت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۲۔ **ربوبیت**۔ یعنی انسانی جسم کی پرورش کے لئے سامانِ زیست اور انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے ضروری اسباب و ذرائع۔ (۱۱/۶ و ۲۲/۳۴)

۳۔ **احترامِ آدمیت**۔ یعنی ہر انسانی بچہ انسان ہونے کی حیثیت سے یکساں طور پر واجب التکریم ہے۔ (۱۷/۷۰)

۴۔ معاشرہ میں **مدارج کی تفریق** جوہرِ ذاتی اور اعمال کی بنا پر ہوگی (۴۶/۱۹) جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کا پابند ہوگا وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہوگا۔

۵۔ **عدل**۔ یعنی تمام انسانوں کو پیدائش کے اعتبار سے یکساں تصور کرنا۔ ہر ایک کے لئے صلاحیتوں کی نشو و نما کے یکساں مواقع مہیا کرنا۔ اور مدارج کا تعین سعی و عمل کی رُو سے کرنا۔ کسی کے حقوق و واجبات کو سلب نہ کرنا۔ تنازعہ فیہ امور کے فیصلے قانون کی رُو سے کرنا، عدل کہلاتا ہے (۴/۱۳۵) اس میں دوست اور دشمن کی تمیز نہ ہوگی (۵/۸) سب کے ساتھ عدل کیا جائے گا۔

۶۔ **جرم کی پاداش**۔ جرم کی سزا باندازۂ جرم ہوگی (۴۲/۴۰) جس میں اصلاح کا امکان نظر آئے اسے معافی دے کر اصلاح کے مواقع دیئے جائیں گے (۴۲/۴۰) بے گناہ کو سزا نہیں ملے گی (۶/۱۶۵)

۷۔ **ذمہ داری**۔ ہر شخص اپنی ذمہ داری آپ پوری کرے گا۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (۶/۱۶۵)

۸۔ ناروائی ظلم ۔ نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا۔ نہ کسی کو ظلم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ (۲/۲۷۹) ظلم کی روک تھام کے لئے اگر قوت کے استعمال (حتیٰ کہ جنگ کرنے) کی ضرورت پڑے تو اسے بھی روا رکھا جائے گا۔ لیکن ظلم کو روا نہیں رکھا جائے گا۔ (۲۲/۳۹)

۹۔ احسان ۔ ہر ایک کو اس کا حق پورا پورا ملے گا۔ لیکن اگر کسی فرد میں غیر اختیاری طور پر کوئی کمی رہ جائے گی تو اس کی اس کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔ اسے احسان کہتے ہیں (۱۶/۹۰) یہ سب کچھ بلا معاوضہ ہوگا۔ (۷۶/۹ : ۵۵/۶۰)

۱۰۔ حریت ۔ کوئی کسی کا محکوم اور فرمانپذیر نہیں ہوگا (۳/۷۹)۔ اطاعت صرف قانون کی کی جائے گی (۷/۳)، اور قانون کتاب اللہ کے مطابق ہوگا (۵/۴۴)

۱۱۔ نتائج اعمال ۔ ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کرے گا ۔ اچھا عمل اچھا نتیجہ۔ برا عمل برا نتیجہ۔ (۹۹/۷-۸) اس میں عورت و مرد کی بھی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ (۳/۱۹۴)

۱۲۔ اظہار حق ۔ ہر ایک کو حق و صداقت کے اظہار کا حق ہوگا۔ (۴/۱۳۵)

۱۳۔ لاقانونیت ۔ کو روکا جائے گا (۵/۳۳)

۱۴۔ حکومت کا نظام مشاورتی ہوگا (۴۲/۳۸)

۱۵۔ اہلیت ۔ امور مملکت کی تفویض اہلیت کی بنا پر ہوگی (۴/۵۸)

۱۶۔ عصمت ۔ کی حفاظت ہوگی (۲۴/۳۳ : ۲۴/۳)

۱۷۔ تعاون ۔ بھلائی کے کاموں میں تعاون ۔ اور برائی کے کاموں میں عدم تعاون (۵/۲)

۱۸۔ مذہبی آزادی ۔ ہر ایک کو اس کا حق ہوگا کہ وہ جونسا مذہب چاہے اختیار کرے۔ (۲/۲۵۶)

۱۹۔ معابد کا تحفظ ۔ ہر مذہب والوں کی پرستش گاہوں کا تحفظ ہوگا۔ (۲۲/۴۰)

۲۰۔ قومیت کی تشکیل آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہوگی۔ (۲/۲۱۳)

۲۔ اضافی اقدار یا مشروط حقوق

اضافی اقدار سے مراد ایسے حقوق ہیں جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوں۔ ذیل میں ان کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ جان کی حفاظت ایک بنیادی قدر (یا حق) ہے لیکن قانون کی رو سے قاتل یا باغی کو سزائے موت دی جا سکتی ہے (۵/۳۲)۔ اسی طرح جنگ کی ضرورت کے ماتحت حق کی حفاظت کے لئے جان طلب کی جا سکتی ہے۔

۲۔ امن کی ضمانت بھی ایک اہم قدر (یا حق) ہے لیکن حق کی حفاظت کے لئے ہنگامی حالات میں معاشرے کے امن میں خلل واقع ہو سکتا ہے (۲/۱۹۱ : ۲۲/۴۰)

۳. حفاظتِ حرث و نسل بھی ضروری قدر ہے (۲/۵)۔ لیکن حق و انصاف کی حفاظت میں جنگ کے موقع پر حرث و نسل دونوں کا اتلاف ہو سکتا ہے۔ (۲۲/۳۹)

۴. سکونت کی ضمانت بھی بنیادی قدر ہے۔ لیکن حق و انصاف کی خاطر جنگ یا دیگر ہنگامی حالات کی صورت میں اس میں بھی خلل واقع ہو سکتا ہے۔ (۲/۸۵)

۵. ایفائے عہد ایک بنیادی قدر ہے لیکن اگر فریقِ مخالف نقضِ عہد کرے تو معاہدہ کو منسوخ کیا جا سکتا ہے (۸/۵۸)

واضح رہے کہ ان اقدار میں استثناء کے لئے وہی شرائط عائد کی جا سکتی ہیں جن کی اجازت قرآن کریم نے دی ہے۔

آئینِ پاکستان کے متعلّق

زعمائے ملّت کے ارشادات

گذشتہ صفحات سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ اسلامی آئین کی ساری بحث دو اصولی نقاط کے گرد گھومتی ہے۔ ان میں سے ایک اصول اس کی بنیاد ہے اور دوسرا اس کا مقصد۔ اس کی بنیاد اس اصلِ عظیم پر ہے کہ حکومت صرف خدا کی اختیار کی جاسکتی ہے جس کا عملی ذریعہ اس کی کتاب ہے اور مقصود اس مملکت سے یہ ہے کہ افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں اور ان کی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشو ونما ہوتی جائے۔

علامہ اقبالؒ

پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی کا رہینِ منت ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے عملی جدوجہد قائداعظمؒ کی بلند ہمتی کی شرمندۂ احسان۔ آپ دیکھیے کہ اسلامی آئین کے سلسلہ میں ان کے خیالات کیا تھے؟ علامہ اقبالؒ "تشکیلِ جدید" کے چھٹے خطبہ میں لکھتے ہیں۔

> اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ حیاتِ کُلی کی روحانی اساس ازلی اور ابدی ہے لیکن اس کی نمود تغیر و تنوع کے پیکروں میں ہوتی ہے۔ جو معاشرہ حقیقتِ مطلق کے متعلق اس قسم کے تصور پر متشکل ہوا کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں مستقل اور تغیر پذیر عناصر میں تطابق و توافق پیدا کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کے نظم و ضبط کے لئے مستقل اور ابدی اصول ہوں۔ اس لئے کہ اس دنیا میں جہاں تغیر کا دور دورہ ہے ابدی اصول ہی وہ محکم سہارا بن سکتے ہیں جن پر انسان اپنا پاؤں ٹکا سکے۔ لیکن اگر ابدی اصولوں کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے دائرے میں تغیر کا امکان ہی نہیں ۔۔۔ وہ تغیر جسے خود قرآن نے عظیم آیات اللہ میں شمار کیا ہے ۔۔۔ تو اس سے زندگی، جو اپنی فطرت میں متحرک واقع ہوئی ہے، یکسر جامد اور متصلب بن کر رہ جائے گی۔ یورپ کو عمرانی و سیاسی دوائر میں جو ناکامی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی ابدی اور غیر متبدل اصولِ حیات نہیں تھے۔ اس کے برعکس گذشتہ پانچ سو سال میں اسلام جس قدر جامد اور غیر متحرک بن کر رہ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے مستقل اقدار کے نام میں اصولِ تغیر کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

یہ وہی بنیادی اصول ہے جسے ہم نے گزشتہ صفحات میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اسلامی آئین کی رو سے، مجلسِ مقننہ کے اختیار فقط اتنے ہیں کہ وہ قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین واحکام مرتب کرے۔ قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے لیکن ان جزئی قوانین میں حالات کے تقاضے کے مطابق، تغیر و تبدل کیا جا سکے گا۔

جہاں تک معاشیات کا تعلق ہے، علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۷ء میں قائد اعظمؒ کے نام ایک خط میں لکھا تھا۔

> سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہے۔ لیگ کا مستقبل اسی سوال کے حل پر موقوف ہے اگر لیگ نے اس باب میں یہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ عوام اس سے اسی طرح بے تعلق رہیں گے جس طرح اس وقت تک اس سے بے تعلق رہے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دورِ حاضرہ کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما دی جا سکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامانِ پرورش ضرور مل جاتا ہے۔ اگر ہندوؤں نے سوشل ڈیماکریسی (SOCIAL DEMOCRACY) کو اپنے ہاں قبول کر لیا تو ہندومت کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن اسلام کے لئے سوشل ڈیماکریسی کو ایسے مناسب انداز سے قبول کر لینا جس سے یہ اس کے اصولوں سے متغائر نہ ہو اسلام میں کسی تبدیلی کے مترادف نہیں ہوگا بلکہ اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ ہم اسلام کو پھر سے اس منزہ صورت میں اختیار کر رہے ہیں جیسا کہ شروع میں تھا۔

قائد اعظمؒ

اب اس باب میں قائد اعظمؒ کے خیالات ملاحظہ فرمائیے۔ جب وہ اگست ۱۹۴۱ء میں حیدر آباد (دکن) تشریف لے گئے تو وہاں بعض نوجوانوں نے ان سے دریافت کیا کہ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں۔ اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا۔

> جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورہ کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن کریم اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی

تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔ (طلوع اسلام۔ اگست سنہ ۱۹۵۸ء)

اس کے بعد ایک اور سوال کے جواب میں اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں فرمائی کہ

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت و فرمانبرداری کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ (طلوع اسلام۔ اگست سنہ ۱۹۵۹ء)

معاشی نظام کے متعلق انہوں نے یکم جولائی سنہ ۱۹۴۸ء کو اسٹیٹ بنک کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا۔

ہمارے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں کے عوام خوش حالی اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس مقصد کا حصول مغرب کے اقتصادی نظام کو اختیار کرنے سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنا راستہ آپ متعین کرنا ہے اور دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرنا چاہیے جو انسانی مساوات اور عدل عمرانی کے اسلامی تصور پر مبنی ہو۔ یہی وہ طریق ہے جس سے ہم اس اہم فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اور ہم دنیا میں وہ پیغام امن دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچائے گا اور نوع انسان کی بہبود، مسرت اور خوش حالی کا ضامن ہو سکے گا۔ یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہو سکتا۔
(طلوع اسلام۔ اگست سنہ ۱۹۵۸ء)

فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں

مقام مسرت و اطمینان ہے کہ آئین پاکستان کے متعلق، مملکت کے موجودہ صدر، فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں، کی طرف سے بھی، وقتاً فوقتاً انہی خیالات کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے، ۳ دسمبر سنہ ۱۹۵۸ء کو باشندگان لاہور کی طرف سے پیش کردہ ایڈریس کے جواب میں کہا تھا۔

تحریک پاکستان کا فلسفہ دینی تھا جو پاکستان کی تخلیق کا موجب بنا تھا۔ برسوں کی بدنظمی اور بدعنوانی نے اس فلسفہ کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا اور اس تحریک کے اغراض و مقاصد کو دھندلا اور زنگ آلود بنا دیا تھا جو تشکیل پاکستان پر منتج ہوئی تھی۔ اب حکومت کے سامنے سب سے اہم کام یہ ہے کہ ان مقاصد و مطالب کو اس دھندلے پن سے نکال کر اس طرح صیقل کر دیا جائے کہ انہیں ان کی کھوئی ہوئی چمک دمک اور گم گشتہ عزت و عظمت پھر سے نصیب ہو جائے۔ (طلوع اسلام جنوری سنہ ۱۹۵۹ء)

ازاں بعد انہوں نے ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۵۹ء کو راولپنڈی کی ایک تقریر میں فرمایا۔

ہمارا سب سے مقدم فریضہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہم اُس آئیڈیالوجی کا احیاء اور استحکام کریں جس کی رو سے پاکستان بحیثیت ایک آزاد مملکت کے وجود پذیر ہوا۔ پاکستان محض ایک خطۂ زمین کا نام نہیں جس میں آٹھ کروڑ نفوس بستے ہیں۔ پاکستان سے ہماری مراد ایک ایسی اُمت ہے جو مخصوص اخلاقی اور روحانی اقدار کی امین ہے یہ اقدار اسلام پر مبنی ہیں۔ ہمارے تجدد پسند حضرات کے نزدیک اسلام کا نام تنگ خیالی کے خلاف (اور قدامت پرستی کی) دلیل ہے یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر ترس کھایا جائے اس کے برعکس یہ امر ہمارے لئے موجب صد ہزار فخر و مباہات ہونا چاہیئے کہ ہم ایسے مذہب کے پیرو ہیں جو ہمیں اس قسم کی بلند اقدار کی تعلیم دیتا ہے مثلاً خدا ترسی، بنی نوع انسانی سے محبت۔ ہمسایہ سے مروت۔ یتامیٰ کی نگہبانی اور غریبوں کی امداد۔ یہ اسلام کی وہ بنیادی اقدار ہیں جن کے بغیر نہ تم اچھے انسان بن سکتے ہو نہ اچھے پاکستانی۔ (طلوع اسلام۔ اگست ۱۹۵۹ء)

پھر انھوں نے (جولائی ۱۹۵۹ء میں) مری میں کمشنروں کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

ہمارے سامنے اس وقت دو اہم مسائل ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ایک مشترک اسلامی آئیڈیالوجی کے ماتحت لوگوں میں اتحاد پیدا کریں اور اس آئیڈیالوجی کی تشریح و تبیین، عصر حاضر کی زبان میں، زمانے کے موجودہ تقاضوں کے مطابق کی جائے۔ اس آئیڈیالوجی کو روح اسلام سے کشید کیا جائے اور ہمارا زمانہ جس حد تک ترقی کر چکا ہے اس کی روشنی میں اس کی تعبیر کی جائے۔ اس وقت اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل فکر و نظر حضرات کو دعوت غور و تدبر دی جائے کہ وہ زندگی کے ان مسائل کا نہایت معقول حل دریافت کریں۔ دوسرا اہم کام یہ ہے کہ ملک کا معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ انسانی دل و دماغ کسی آئیڈیالوجی پر خواہ وہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو کبھی لبیک نہیں کہتا جب تک اسے دو وقت پیٹ بھرنے کا یقین نہ ہو جائے اس لئے اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے کہ روٹی کے مسئلہ پر خاص توجہ دی جائے۔ (طلوع اسلام اگست ۱۹۵۹ء)

ٹنڈو الٰہ یار میں علماء کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا۔

آج دنیا دو کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے اور ان کی باہم کشمکش آئیڈیالوجی پر مبنی ہے۔ کمیونزم چیلنج کر رہا ہے کہ وہ اپنی آئیڈیالوجی تمام دنیا پر مسلط کر دے۔ مغرب کمیونزم کا کوئی موثر اور مکمل جواب نہیں پیش کر سکا۔ اس لئے کہ اس کی آئیڈیالوجی بنیادی طور پر مادہ پرستی پر مبنی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جو اقدار مغرب سے نمودار ہوئی ہیں نظام کائنات میں ان کا بھی ایک مقام ہے لیکن وہ ایسی اہم نہیں کہ نوع انسانی ان کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دے۔ موجودہ حالات میں کمیونزم کا ایک اور صرف ایک جواب ہے اور وہ جواب اسلام سے مل سکتا ہے کمیونزم کا فلسفہ اور مغرب کی مادی اقدار کی کشمکش میں صرف اسلام ہی وہ فطری آئیڈیالوجی بن سکتا ہے جو نوع انسانیت کو ہلاکت سے بچا سکتی ہے۔
(طلوع اسلام جون ۱۹۵۹ء)

اس [illegible] کی روک تھام کے سلسلے میں انھوں نے فرمایا۔

کمیونزم کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کو ملّائیت کے غلاف کے دلدل سے نکال کر عصرِ حاضر کی روشنی اور زبان میں پیش کیا جائے۔ اسے صرف ایک نظری آئیڈیالوجی کی حیثیت سے پیش نہ کیا جائے بلکہ ایک تمدنی، سیاسی، معاشی اور روحانی زندگی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ یہی اسلام کی صحیح اور بنیادی پوزیشن ہے۔ (طلوعِ اسلام۔ جون سنہ ۱۹۵۹ء)

گذشتہ دسمبر میں، انہوں نے پاک بھارت کے دورہ کے سلسلہ میں ایک مقام پر فرمایا۔

> جہاں تک اسلامی اصولوں کا تعلق ہے، پاکستان کا دستور یقیناً ان کا آئینہ دار ہوگا۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے اصول غیر متبدل ہوتے ہیں لیکن ان کی جزئیات، تفصیلات اور طریقے حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان جزئیات کو ہمارے موجودہ حالات کے مطابق مرتب ہونا چاہیئے۔ (پاکستان ٹائمز ۱۲/۱۸ ۱۸)

گجرات میں انہوں نے آئینِ پاکستان کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

> پاکستان ایک آئیڈیالوجی کی بنا پر معرضِ وجود میں آیا ہے اور وہ آئیڈیالوجی اسلامک ہے۔ اس لئے اس میں شبہ کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئیڈیالوجی کا آئینہ دار ہوگا۔ آئین کمیشن ان حضرات پر مشتمل ہوگا جنہیں اسلام کی بھی پوری پوری واقفیت ہو اور جو علومِ حاضرہ سے بھی باخبر ہوں۔ اس لئے کہ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ملک کو تیرہ چودہ سو سال پیچھے دھکیل دیا جائے۔ اگر کمیشن کی سفارشات اس معیار پر پوری نہ اتریں تو کابینہ انہیں کبھی منظور نہیں کرے گی اور اگر بفرضِ محال کابینہ بھی انہیں منظور کرے اور پارلیمان دیکھے کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہیں تو وہ دو تہائی اکثریت سے ان میں تغیر و تبدل کر سکے گی (پاکستان ٹائمز ۱۲/۵۹ ۲۱)

آئینِ پاکستان کے متعلق یہ خیالات اس قدر واضح ہیں کہ ان کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ اگر صدرِ مملکت اپنے اختیارات سے خود آئین وضع کرتے تو وہ یقیناً انہی خیالات کا آئینہ دار ہوتا۔ لیکن انہوں نے خود آئین مرتب کرنے کے بجائے آئینی طریق کو ترجیح دی ہے اور آئینی سفارشات کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا ہے۔ یہ کمیشن، سوالنامہ کے ذریعے عوام کے خیالات معلوم کرے گا۔ محترم صدرِ مملکت کے مندرجہ بالا خیالات کو جمہوری شکل دینے کی صورت یہ ہے کہ عوام کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا جائے کہ پاکستان کا آئین علامہ اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ اور موجودہ صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے ان خیالات کے مطابق ہونا چاہیئے جن کا اظہار ان سب کی طرف سے تحریکِ پاکستان کے آغاز سے لے کر اس وقت تک ہوتا رہا ہے اور جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آئین قرآنِ کریم کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یہی وہ اصول ہیں جن کا تعارف سابقہ صفحات میں کرایا گیا ہے۔

کرنے کا کام

لہٰذا جو حضرات اس سے متفق ہوں ان کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ آئین کمیشن کے سوالنامہ کے جواب میں لکھا جائے کہ پاکستان کا آئین ان اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے جن کی تفصیل طلوعِ اسلام کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ میں دی گئی ہے۔

یاد رکھئے! (۳) اس وقت ہم اپنی اجتماعی زندگی کے نازک ترین دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ہماری تاریخ میں (قرونِ اولیٰ کے بعد) یہ پہلا موقعہ ہے کہ کسی مملکت نے اپنے ہاں اسلامی آئین رائج کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ اس سلسلہ میں ہم اپنی پہلی کوشش میں بری طرح ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔ اگر ہم اس دوسری کوشش سے بھی صحیح قرآنی آئین مرتب نہ کر سکے تو اس کے بعد ہمیں پھر کوئی موقعہ نہیں ملے گا۔ قدرت اقوام کی لغزشوں کو بار بار معاف نہیں کیا کرتی۔ اور اگر ہم (خدانخواستہ) صحیح اسلامی آئین مرتب نہ کر سکے، تو اس سے یہی نہیں ہوگا کہ ہم غیر اسلامی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے بلکہ باہر کی دنیا خود اسلام کے متعلق یہ سمجھنے لگے گی کہ یہ تاریخ کے ایک سابقہ دور میں کچھ وقت کے لئے تو چل سکا تھا لیکن اب اس میں زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں۔ یعنی ہم اپنی اس کوتاہی سے اسلام کو بھی بدنام کریں گے۔ اس کے برعکس اگر ہم نے یہاں صحیح اسلامی آئین نافذ کر لیا تو نہ صرف یہ کہ ہماری اپنی زندگی اسلام کے قالب میں ڈھل جائے گی بلکہ اس نظام کے درخشندہ نتائج کو دیکھ کر اقوامِ عالم اسلام کی طرف کشاں کشاں چلی آئیں گی اور دنیا ایک بار پھر یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (۱۱۰/۲) کا حسین نظارہ دیکھے گی۔

آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ آئین سازی کا کام صرف آئینی کمیشن یا حکومتِ پاکستان کا فریضہ ہے۔ یہ تمام کی تمام ملّتِ پاکستانیہ کا مشترکہ فریضہ ہے۔ جس طرح کشتی کو ساحلِ مقصود تک بحفاظت لے جانا صرف ملاحوں کا فریضہ نہیں ہوتا، کشتی کے مسافروں کا بھی برابر کا فریضہ ہوتا ہے، اس لئے کہ کشتی کے ڈوبنے سے صرف ملاح نہیں ڈوبا کرتے، کشتی کے مسافر بھی ساتھ ہی ڈوبا کرتے ہیں۔

لہٰذا اس وقت پاکستان کے لئے صحیح اسلامی آئین کی تدوین کے سلسلہ میں جو کوشش بھی آپ کر سکیں، اس سے دریغ نہ کریں۔ اس کے لئے اولین قدم یہ ہے کہ آپ آئینی کمیشن تک اپنی یہ آواز پہنچا دیں کہ ہم یہاں ایسا آئین چاہتے ہیں جو قرآنی اصولوں پر مشتمل ہو۔ (اور جس کی تفصیل اس پمفلٹ میں دی گئی ہے) اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (۴۷/۷) اگر تم نے قانونِ خداوندی کی ترویج و تنفیذ کے سلسلہ میں مدد کی تو خدا کا قانونِ حیات یقیناً تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثبات و قرار عطا فرمائے گا۔ وَذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (۹/۷۲) اور یہ زندگی کی سب سے بڑی کامرانی ہے۔

اعتذار

طلوعِ اسلام کنونشن سے متعلقہ روئیداد اور آئینی کمیشن کے سوالنامہ کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ مئی اور جون کا مشترکہ شمارہ کنونشن نمبر اور آئین نمبر کی حیثیت سے شائع ہو۔ ایسے ضخیم الشیوع کی تکمیل میں تاخیر ناگزیر تھی۔ اور ہم اس کے لئے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اس دگنی ضخامت کے باوجود شرکائے کنونشن کی فہرست اور کئی دیگر اہم مضامین بصد افسوس آئندہ اشاعت پر ملتوی کرنے پڑے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ لاہور

اِستقبالیہ

چوہدری عبدالرحمٰن صاحب صدر کنونشن کمیٹی

برادرانِ عزیز۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

ہفتہ بھر پہلے کا ذکر ہے کہ لوگوں کو عید کے چاند کا انتظار تھا۔ لیکن میری بے تاب نگاہیں ان تابناک ستاروں کے لئے وقف راہ تھیں جن کی آمد سے اس خطۂ زمین کو جنت نگاہ بن جانا تھا۔ آپ آ گئے تو میرے لئے چاند چڑھ گیا۔ عید کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں ہم فکر اور ہم خیال احباب کی ملاقات سے دل کی کتنی کلیاں کھلتی ہیں اس کا اندازہ وہ لوگ کیسے لگا سکتے ہیں جن کا باہمی کسی نہ کسی ذاتی غرض سے وابستہ ہو! اور جب یک جہتی اور ہم خیالی قرآن کریم کے رشتے سے بندھی ہو تو اس کی کیفیت کچھ اور ہی ہو جاتی ہے۔ میں اپنی طرف سے اور لاہور کے دیگر احباب کی طرف سے آپ احباب کی خدمت میں دلی ہدیۂ خوش آمدید پیش کرنے کی مسرت حاصل کرتا ہوں۔

عزیزانِ من! یہ ہمارا چوتھا سالانہ اجتماع ہے۔ پہلا اجتماع نومبر ۱۹۵۵ء میں اسی مقام پر ہوا تھا۔ دوسرا اجتماع راولپنڈی کا میں۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں۔ تیسرا اجتماع اسی مقام پر اپریل ۱۹۵۸ء میں۔ اور اب ہم چوتھی مرتبہ پھر یہیں جمع ہوئے ہیں۔ کس قدر بابرکت ہے وہ اجتماع جس کی غرض و غایت یہ ہو کہ مل بیٹھ کر سوچا جائے کہ خدا کی زندہ و پائندہ کتاب۔ پاکستان میں جیتے جاگتے نظامِ مملکت کی شکل کس طرح اختیار کر سکتی ہے۔ پھر کس قدر نرالی ہے یہ تنظیم کہ جس نے نہ کسی سیاسی پارٹی کی شکل اختیار کی ہے۔ نہ مذہبی فرقہ کا رنگ۔ یہ قرآنی فکر سے متفق احباب کے باہمی تعاون کی ایک شکل ہے اور کیسی حسین شکل ——

یہ اجتماع اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس میں پاکستان کے آئین سے متعلق امور زیرِ بحث آئیں گے۔

برادرانِ مکرم! آپ نے راولپنڈی میں مجھے کنونشن کمیٹی کا صدر منتخب کر کے جس عظیم ذمہ داری کو میرے کندھوں پر رکھ دیا تھا اس سے عہدہ برا ہونے کے لئے میں نے اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی ہے لیکن میں اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہو سکا ہوں۔ بہرحال اس میں مجھے جس قدر کامیابی ہوئی ہے اس کے لئے میں نے سازش

کا متمنی ہوں۔ نہ حمد کا امیدوار۔ اس لئے کہ یہ میرا فریضہ تھا جسے میں نے حتی المقدور ادا کیا۔ لیکن اس میں جس قدر خامی یا کمی رہ گئی اس کے لئے میں آپ احباب سے معذرت خواہ ہوں۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں پہلے اس سے پہلے اپنے ساتھ تعاون کو بیرون لاہور کے احباب تک محدود رکھا تھا۔ لیکن اس سال بیرونی بزموں سے بھی رضا کار مانگے گئے۔ انھوں نے اس پر بطیب خاطر لبیک کہا۔ اس انتظام کے ماتحت، اب اکثر فرائض رضا کاروں کی تحویل میں دے دیئے گئے ہیں۔ اس سے جہاں ایک طرف مجھے انتظام میں بہت مدد ملے گی۔ دوسری طرف بیرونی بزموں کو کونشن سے متعلق انتظامات کا تجربہ ہو جائے گا۔ میں ان رضا کار احباب کا بدل شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے خندہ پیشانی سے اپنا دست تعاون بڑھایا۔

اس دفعہ لاہور کے احباب کو آپ کی قیام گاہیں پھیلا دیا گیا ہے۔ اگر آپ کو کسی قسم کی کوئی دقت ہو تو انھیں بتا دیں یہ اس حسب تدارک یا بندوبست کریں گے۔ رضا کاران کا تمیزی نشان سرخ فیتہ ہے۔

گذشتہ اجتماعات کے تجربے نے بتایا کہ کھانے کے ساتھ چائے کا انتظام تسلی بخش نہیں رہتا۔ چائے میں مختلف احباب کا ذوق اور اوقات مختلف ہوتے ہیں جن کی رعایت ایک اجتماعی نظام میں مشکل ہوتی ہے۔ اسی دشواری کے پیش نظر اس دفعہ چائے کا الگ انتظام کر دیا گیا ہے۔ جہاں احباب جس وقت چاہیں اپنے اپنے ذوق کے مطابق چائے طلب کر سکتے ہیں۔ یہ انتظام "علی منافع طریق" پر کیا گیا ہے اور رفیق محترم مرزا خلیل صاحب اس کے نگراں ہیں۔

پچھلے سال کونشن کے سلسلہ میں مبلغ ۲،۲۱۷/۲/- روپیہ کی آمدنی تھی اور مبلغ ۲،۹۴۰/۹/۶ روپے کا خرچ۔ علاوہ بریں برتنوں کے حساب میں مبلغ ۷۵۳/۶/- روپے زائد خرچ ہو گئے تھے۔ اس لحاظ سے اس وقت کونشن کمیٹی مبلغ ۶۱۶/۳/۷ روپے کی مقروض ہے۔ آمد و خرچ کا حساب دفتر کے کاغذات میں موجود ہے۔

سال گزشتہ اپیل کی گئی تھی کہ کونشن کے لئے کرسیاں اور شامیانے اپنے خرید لئے جائیں۔ اس اپیل کے جواب میں بزموں سے جو وعدے ہوئے تھے اور جو رقوم ۱۲ مارچ تک وصول ہوئیں مندرجہ ذیل ہیں۔

بزمیں

ہنگو	۱۰۔۔۔۔۔	گوجرہ	۱۰۔۔۔۔۔
لاہور	۵۰۰۔۔۔۔۔	شیخوپورہ	۲۵۔۔۔۔۔
سید حسین	۱۰۔۔۔۔۔	ٹنڈو محمد خاں	۲۵۔۔۔۔۔
پنڈدادنخاں	۱۰۔۔۔۔۔	لائلپور	۲۰۔۔۔۔۔
چونڈہ	۱۰۔۔۔۔۔	**بقایاجات واجب الادا**	
مردان	۲۰۰۔۔۔۔۔	سیالکوٹ	۵۰۔۔۔۔۔
سمندری	۱۰۔۔۔۔۔	چنیوٹ	۵۰۔۔۔۔۔

ضلع جہلم	۱۰
کراچی	۱۰۰
سیالکوٹ چھاؤنی	۱۰
چک ۱۱ شمالی	۱۰
راولپنڈی	۱۰۰

انفرادی

حاجی فقیر محمد صاحب مردان	۲۰۰
تجمل حسین صاحب جھنگ	۵
محمد یامین صاحب ملتان	۱۰
فیروز الدین صاحب سکھو چک سیالکوٹ	۱۰
عبدالکریم صاحب ننکانہ	۵
بہزاد خان صاحب ٹیکسلا	۵
غلام ربانی صاحب ٹیکسلا	۵
محمد شفیع صاحب واہ	۱۰
نجابت خان صاحب واہ	۳
چوہدری عمر حیات صاحب گوجرانوالہ	۲۰
این۔ ایم انور صاحب روہڑی	۵

بقایا

افتخار صاحب	۲۵
میزان وعدے	۲۳۸۰
میزان وصولی	۱۱۲۵
میزان بقایا	۱۲۵۵

اگر بزمیں اپنے وعدوں کو بروقت پورا کر دیتیں تو اس کونشن کے سلسلہ میں سامان کے کرایہ میں بچت ہو جاتی۔ لہٰذا بزموں سے درخواست ہے کہ وہ بقایا رقم اب ادا کر دیں اور آئندہ اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا کریں کہ وعدوں کے ایفا میں غیر معمولی تاخیر نہ ہونے پائے۔

برادران عزیز! کونشن کمیٹی نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ آپ کے قیام و طعام کے سلسلہ میں حسب منشا آرام مل سکے۔ لیکن اس کے باوجود اگر ہمارے انتظامات میں کوئی کمی رہ جائے تو مجھے توقع ہے کہ آپ احباب اس سے درگزر فرمائیں گے۔ میں یہ توقع اس یقین پر کر رہا ہوں کہ ان اجتماعات میں ہم میں سے نہ کوئی مہمان ہوتا ہے نہ میزبان۔ یہ ہمارا مشترکہ اجتماع ہے اور مشترکہ انتظام۔ اس لئے اس کی کامیابی کے لئے تمام احباب کی طرف سے تعاون ضروری ہے۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں اگر آپ کو کوئی زحمت ہوگی تو آپ خندہ پیشانی سے گوارا فرمائیں گے۔ حسب سابق نماز کے لئے یہی انتظام بہتر سمجھا گیا ہے کہ کونشن سے متصل جامع مسجد میں نماز ادا کی جایا کرے۔ احباب سے درخواست ہے کہ وہ مسجد میں التزاماً نماز باجماعت ادا کریں۔ اس دفعہ ہمارے کیمپ کے "جنرل کمانڈر" برادر محترم چوہدری امان اللہ خان صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام (چک ۱۱ شمالی سرگودھا) ہیں۔ آپ احباب اپنی شکایات یا تجاویز کے لئے ان کی طرف رجوع فرمائیں۔ آخر میں، میں لاہور کے ان احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی شبانہ روز محنت کے بغیر یہ انتظامات کسی صورت میں بھی مکمل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھے اس قسم کے مخلص دوستوں کا تعاون حاصل ہے جو تحریک کے مفاد کو اپنے آرام و راحت پر ترجیح دیتے ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ احباب کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ اس اجتماع کو ہر وجہ کامیاب بنانے میں اپنے قلبی تعاون کا ثبوت دیں گے۔ والسلام

لُغات القرآن

اور

پیشگی خریداران

مقام مسرت ہے کہ مکتبہ کے پاس لغات القرآن (جلد اول) کے نسخے پہنچ گئے ہیں اور وہ اب اس قابل ہے کہ پیشگی خریداران کو ان کے کھاتے سے لغات القرآن بھیج سکے۔

(۲) جو پیشگی خریداران لغات القرآن جلد اول نہ منگانا چاہیں وہ براہ کرم اس کی اطلاع مندرجہ ذیل پتہ پر بیس مئی (۲۰ مئی) تک ضرور بھیجدیں۔ اگر یہ اطلاع اس تاریخ تک موصول نہ ہوئی تو پھر لغات القرآن انہیں بھی بھیجدی جائے گی۔

(۳) ۲۱ مئی سے لغات القرآن پیشگی خریداران کی خدمت میں بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ بھیجنی شروع کردی جائے گی چونکہ تمام رجسٹریاں ایک دن میں نہیں بھیجی جاسکیں گی۔ اس لئے لغات پیشگی خریداران تک رفتہ رفتہ پہونچے گی۔ والسلام

منیجر مکتبہ طلوع اسلام

۲۷۔ بی۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

رپورٹ

(جو مولانا عبدالرب صاحب ناظم ادارہ طلوع اسلام نے طلوع اسلام کنونشن لاہور میں پیش فرمائی)

برادرانِ محترم!

لیجئے جس چیز کا بڑی مدت سے آپ کو شدید انتظار تھا، وہ بالآخر آ گئی۔ یہ ہے لغات القرآن کی پہلی جلد سفید کاغذ پر ٹائپ میں چھپی ہوئی تقریباً پانچ سو صفحات کی کتاب جس کی جلد مضبوط اور پائیدار ہونے کے علاوہ دیدہ زیب بھی ہے۔ اسے ادارہ کے بکسٹال سے حاصل کیجئے اور استفادہ فرمائیے۔ یہ لغت آپ کو بتائے گی کہ قرآنی الفاظ کا مفہوم نزولِ قرآن کے وقت کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں آپ ان تصورات کی صحیح اور مکمل تصویر دیکھ سکیں گے جو قرآن نے نوعِ انسان کو عطا فرمائے ہیں۔

لغت کا ابتدائی مسودہ پانچ سال قبل ۵۵ء میں تیار ہو گیا تھا۔ لیکن مالی وسائل کے فقدان کے باعث چھپ نہ سکا۔ اکتوبر ۵۸ء کے راولپنڈی کنونشن میں آپ نے لغت اور مفہوم القرآن کی طباعت کے لئے روپے کا انتظام فرمایا جو ادارہ کو رفتہ رفتہ موصول ہونا شروع ہو گیا۔ ۵۸ء میں ادارہ کراچی سے لاہور منتقل ہوا اور اس وقت سے لغت کی طباعت کی مہم پوری توجہ اور انہماک سے شروع ہو گئی۔ الحمدللہ ۶۰ء کے کنونشن میں اس کی پہلی جلد آپ کے لئے حاضر ہے۔ تیاری میں جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا وہ مختصراً گزشتہ کنونشن میں عرض کی جا چکی ہیں۔ ان پر قابو پانے کی واحد شکل یہ تھی کہ پریس اپنے قابو میں ہو۔ چنانچہ اس کا انتظام کیا گیا اور "المیزان پریس" حسبِ منشا کام کر رہا ہے۔ پریس کے منیجر سید لطف علی شاہ صاحب نے لغت کی بروقت طباعت کے سلسلہ میں جس تندہی اور محنت سے کام کیا ہے ادارہ اس کے لئے ان کا شکرگزار ہے۔

اب لغت کی دیگر جلدوں کی باری آئے گی اور وہ یکے بعد دیگرے آپ کو ملتی رہیں گی۔

لغت کی آمد و خرچ کا حساب علیحدہ رکھا جا رہا ہے۔ فی الحال آپ کی پیشکش میں سے خرچ ہو رہا ہے۔ کتاب کی فروخت سے جو کچھ حاصل ہو گا وہ مزید جلدوں کی طباعت میں کام آئے گا۔ اور لغت کی بقیہ جلدوں کے چھپ جانے کے بعد اسی سے مفہوم القرآن

کی طباعت کے مراحل طے کئے جائیں گے۔ مفہوم القرآن پہلے اردو میں شائع ہوگا اور ازاں بعد کوشش کی جائے گی کہ اس کا انگریزی ایڈیشن بھی چھپ جائے تاکہ بیرونی دنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ اس نظامِ حیات سے آشنا ہو سکے جو انسان کی جملہ مشکلات کا واحد حل ہے۔

گذشتہ کونشن میں پیشکش کی آمد کا تفصیلی گوشوارہ پیش کیا گیا تھا اور درخواست کی گئی تھی کہ اسے بغور ملاحظہ فرما لیا جائے اور اگر کہیں غلطی نظر آئے تو ادارہ کو فوراً مطلع کیا جائے۔ لیکن معطیان نے کسی غلطی کی اطلاع ادارہ کو نہیں دی اور اسے درست تسلیم کر لیا گیا۔

اس کے بعد ۳۱ مارچ ۶۶ء تک جو رقوم وصول ہوئیں انہیں ملا کر کل رقم موصولہ بیالیس ہزار دو سو سڑسٹھ روپے چھ پائی (2 . 267/-/6 ۴۲ روپے) ہو گئی ہے۔ ان تازہ وصول شدہ رقوم میں بزموں اور افراد کے سابقہ بقایا کی ادائیگی کے علاوہ نئے عطیات بھی شامل ہیں۔ اس رقم میں سے جلد اول کی تکمیل تک کے اخراجات سینتیس ہزار کے قریب ہو جائیں گے۔

مطبوعات

لغات کے علاوہ ادارہ نے جو مطبوعات سالِ گذشتہ میں شائع کیں، ان میں "التفسیرۃ الکبریٰ" "انسان نے کیا سوچا؟" کا تازہ ایڈیشن اور "سلیم کے نام خطوط" کا تازہ ایڈیشن (حصہ اول) اور حصہ دوم کا پہلا ایڈیشن شامل ہیں۔ حصہ سوم زیرِ طبع ہے۔ نیز متعدد پمفلٹ بھی شائع ہوئے ہیں۔ جن میں تین کا انگریزی ترجمہ چھپ چکا ہے اور چوتھے کا زیرِ طبع ہے۔ "اسلام میں قانون سازی کا اصول" کا انگریزی ترجمہ بھی تیار ہو چکا ہے اور طباعت کا منتظر ہے۔

انگریزی تراجم

سالِ گذشتہ میں انگریزی تراجم پر خاص توجہ دی گئی۔ ادارہ کی جملہ مطبوعات اردو میں ہیں اور انگریزی خواں طبقہ کا مطالبہ مسلسل یہ رہا ہے کہ انکو انگریزی میں منتقل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ۶۵ء سے برابر کوشش جاری ہے کہ قرآنی لٹریچر کو انگریزی زبان میں پیش کیا جائے۔ موزوں افراد کی خدمات حاصل کرنے کے لئے اخبارات میں اشتہارات دیئے گئے اور نجی طور پر بھی جدوجہد کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی اور یہ اہم معاملہ معرضِ التوا میں پڑ گیا۔ معاملہ کی شدت اور ضرورت کے احساس نے ادارہ کو بالآخر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے موجودہ ذرائع کی مدد سے ہی کام کی بسم اللہ کر دے۔ کوشش یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات کو سادہ انگریزی میں مختصر پمفلٹوں میں بیان کر دیا جائے۔ ادبی خوبیوں پر توجہ کم سے کم دی جائے ان پمفلٹوں کی قیمت دو چار آنے سے زیادہ نہیں رکھی جاتی اور یہ کثیر تعداد میں بلا قیمت بھی تقسیم کئے جاتے ہیں اور اس طرح تقسیم میں خرچ ڈاک بھی ادارہ خود برداشت کرتا ہے۔

مکتبہ

ادارہ کی مطبوعات کی فروخت کا کام گذشتہ نومبر سے "مکتبہ طلوعِ اسلام" کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ مکتبہ کو مطبوعات تجارتی کمیشن پر دی جاتی ہیں اور وہ اپنی مستقل اور آزاد حیثیت سے کاروبار کرتا ہے۔ پیشگی خریداروں کا حساب کتاب بھی مکتبہ کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ اور انہیں فرداً فرداً مطلع کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنا معاملہ ادارہ کے بجائے مکتبہ سے کریں۔

دورے

ختم ہونے والے سال میں پرویز صاحب نے متعدد مقامات کا دورہ کیا جن میں کراچی، راولپنڈی، کیمبلپور، لشاور اور سمندری شامل ہیں۔ ان دوروں کی تفصیل طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکی ہے۔ یہاں اندراج حقیقت کر دینا کافی

ہو گا کہ دورے کی جملہ تقریبات بے حد کامیاب ثابت ہوئیں، کراچی اور پشاور کی فضا میں تو گویا کایا کلپ ہو گئی جس کے لئے ہر دو مقامات کی بزمیں مستحق مبارکباد ہیں۔

بزمیں بزموں کا واحد مقصد قرآنی فکر کی نشر و اشاعت ہے۔ اس مقصد کے حصول میں دورِ حاضر کی ایجاد (ٹیپ ریکارڈر) نے بڑی مدد کی ہے۔ اور متعدد بزموں نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ کراچی، راولپنڈی، مردان اور پشاور میں محترم پرویز صاحب کے درس باقاعدگی سے سنائے جاتے ہیں اور سننے والوں کی تعداد میں ہر جگہ برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ سعودی عرب میں احباب ظہران نے بھی بزم نہ ہونے کے باوجود ٹیپ ریکارڈر کا انتظام کر رکھا ہے اور وہاں پرویز صاحب کے درس بڑے ذوق و شوق سے نشر کیے جاتے ہیں۔ ٹیپ ریکارڈر کی بدولت کراچی کی بزم نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ قابلِ رشک ہے وہاں ٹیپ پر پرویز صاحب کو سننے والوں کی تعداد روز افزوں ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ٹیپ ریکارڈر نے موصوف کے کراچی سے لاہور چلے آنے کے حادثہ کو بہ طریق احسن قابلِ برداشت بنا دیا ہے۔

بزموں کی تشکیل اور کارکردگی کے معاملے میں بزم گوجرانوالہ کی حیثیت نہایت نمایاں ہے۔ اس نے قلیل عرصہ میں قرآنی آواز کو مضافات میں پہنچا کر نئی بزموں کے قیام کی داغ بیل ڈال دی ہے۔

اسی ضمن میں ایک شخصیت کا ذکر ناگزیر ہے جس نے پہلے ڈیرہ غازی خاں، پھر مری اور اب سیالکوٹ کی فضا کو قرآنی فکر کی روشنی سے جگمگا دیا ہے۔ یہ شخصیت محترم ڈاکٹر محمد حیات ملک کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے۔

مقامِ مسرت ہے کہ خاصے لمبے تعطل کے بعد بزم لاہور میں آثارِ حیات نمایاں ہونے لگے ہیں۔ دعا کیجئے کہ زندگی کی یہ تازہ لہر مستقل ثابت ہو۔

بزم لائلپور میں تھکن اور جمود کے آثار ظاہر ہو رہے تھے لیکن توقع ہے کہ وہ سنبھل کر جلد حرکت آشنا ہو جائے گی۔

معذرت کے ساتھ بعض بزموں سے گلہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ گذشتہ کنونشن میں آپ نے چند فیصلے کئے تھے لیکن ان فیصلوں کے مطابق بزموں کو جو کچھ کرنا تھا وہ نہیں ہوا اور بزموں نے خواہ مخواہ بے عملی کا الزام اپنے سر لے لیا۔ آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ اراکین بزم ہائے طلوع اسلام کی فہرست ان کے پتوں اور تعارف کے ساتھ شائع کی جائے۔ ادارہ کی طرف سے اس فیصلہ کی یاددہانی کے باوجود اس کی تعمیل بالعموم نہیں ہوئی اور جنہوں نے تعمیل کی وہ ناقص رہی۔ آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ بزموں کا ہر رکن ہر سال بزم کے تین رکن یا طلوع اسلام کے تین خریدار یا تین پیشگی خریدار بنائے۔ چند بزموں نے اس فیصلہ پر عملدرآمد کی کچھ کوشش کی ہے لیکن وہ بہت ہی محدود اور ناکافی ہے۔ یہی حال اس فیصلے کا ہے جو کنونشن کے لئے سامان خریدنے کے لئے ہوا تھا۔

اصولی ہدایات کے مطابق ہر بزم کا فریضہ ہے کہ وہ آمد خرچ کا گوشوارہ ماہانہ رپورٹ کے ہمراہ باقاعدگی سے بھیجتی رہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں بھی صرف چند بزموں نے توجہ دی ہے۔ باقی نے کامل غفلت برتی ہے۔

مالیات
ادارہ کی مالی حالت حسبِ سابق سقیم ہے۔ اس کے اسباب و علل گذشتہ رپورٹوں میں تفصیلاً بیان ہو چکے ہیں۔ اور ان کے اعادہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بات اتنی سی ہے کہ ادارہ اپنے پاؤں پر کھڑے رہنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی کے سامنے دستِ طلب دراز نہیں کرتا۔ لیکن اس ارادہ کی تکمیل نہیں کر پاتا۔ بیرونی امداد کے سلسلہ میں ایک مختصر سی صورت کا تذکرہ اصولی ہدایات برائے نظم و ضبط بزمہائے طلوع اسلام میں ہوا ہے۔ یعنی بزمیں اپنی آمدنی کا کچھ حصّہ ادارہ کو منتقل کریں گی مگر اس مد میں ادارہ کو تا حال ایک پائی بھی وصول نہیں ہوئی۔

ادارہ کا خرچ آمد سے بہرحال زیادہ ہوتا ہے جس کی بیشتر ذمہ داری اس پبلسٹی پر ہے جو تحریک کے لئے ازبس ضروری ہے۔ گزشتہ سال متعدد پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کئے گئے۔ مثلاً "اسلامک آئیڈیالوجی" اردو میں پانچ ہزار اور انگریزی میں دس ہزار چھپا اور تقسیم ہوا۔ اسی طرح "قرآن کا معاشی نظام" اور "قرآن کا سیاسی نظام" بھی اردو اور انگریزی میں پانچ پانچ ہزار چھپے اور تقسیم ہوئے۔ "اسلامی آئین" بھی دس ہزار (اردو میں) چھپ چکا ہے اور انگریزی میں چھپ رہا ہے۔ "اسلام آگے کیوں نہ چلا؟" اردو میں چھپ چکا ہے اور انگریزی میں زیرِ طبع ہے۔ پمفلٹ قیمتاً بھی فروخت ہوتے ہیں لیکن ان کی قیمت لاگت سے بھی کم ہے اور فروخت سے جو کچھ وصول ہوتا ہے وہ لاگت کو کسی حالت میں بھی پورا نہیں کرتا۔

درس
محترم پرویز صاحب کا اتوار کا ہفتہ وار درس بالتزام جاری رہا ہے۔ اسے بالعموم ٹیپ پر محفوظ کر لیا جاتا ہے اور مختلف مقامات پر بزموں کی معرفت سنانے کے لئے پہنچایا جاتا ہے۔ بزم کراچی نے ٹیپ پر درس سنانے کا نہایت معقول انتظام کر رکھا ہے۔

تاریخی کلاس
محترم موصوف کی یہ کلاس بھی باقاعدگی سے جاری رہی ہے اور سامعین کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز ہے۔

عربی کلاس
درس میں شامل ہونے والے احباب نے عربی زبان سیکھنے کے لئے یہ کلاس شروع کی ہے۔ اور اس کا سلسلہ جاری ہے۔

آئینِ پاکستان
عسکری انقلاب نے سنہ ۵۶ء کے آئینِ پاکستان کو اکتوبر سنہ ۵۸ء میں کالعدم قرار دیدیا اور یقین دلایا کہ نیا آئین اسلامی تصورات کا حامل ہوگا۔ گویا انقلاب نے تحریکِ پاکستان کے بنیادی تصور میں جان ڈال دی اور ملت کی امیدوں کو تازہ کر دیا کہ سرزمینِ پاکستان اسلامی زندگی اور قرآنی تعلیمات کا گہوارہ بن جائے گی۔ ادارہ طلوع اسلام کے لئے اس سے بڑھ کر مسرت اور اطمینان کا سرمایہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی تمام کوششوں کا رُخ اس جانب پھیر دیا کہ نیا آئین صحیح قرآنی خطوط پر متشکل ہو۔ طلوع اسلام کے صفحات پر یہ مہم شد و مد سے جاری رہی ہے۔ دورۂ کراچی کے دوران میں محترم پرویز صاحب نے تقاریر کے ذریعے فضا کو سازگار بنانے میں کامیاب کوشش فرمائی۔ حسبِ ضرورت صدرِ پاکستان کی خدمت میں تار بھی بھیجے اور دیگر ہر ممکن طریق سے اس جد و جہد کو آگے بڑھایا۔

اس ضمن میں اخراجات پورے کرنے کے لئے پرویز صاحب نے احباب سے ذاتی اپیل بھی کی جس کا نتیجہ خاصا حوصلہ افزا رہا، اگرچہ ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔

اب صورت یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا صحیح اسلامی تصور ماہنامہ طلوعِ اسلام اور ادارہ طلوعِ اسلام کے شائع کردہ اردو اور انگریزی لٹریچر میں روزِ روشن کی طرح صاف اور واضح موجود ہے۔ اور اسے مجوزہ آئینِ پاکستان نامی پمفلٹ میں یکجا اور عملی انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ پمفلٹ کثیر تعداد میں مفت تقسیم کے لئے چھپ چکا ہے۔ صبح و شام میں آئینی کمیشن کا سوالنامہ شائع ہونے والا ہے جس کے جواب کے لئے کم و بیش ایک مہینہ کا وقفہ دیا جائے گا۔ ادارہ کی کوشش ہے کہ سوالنامے کے جوابات جلد از جلد شائع کر کے آپ کو مہیا کرے تاکہ آپ ان پر خود بھی دستخط فرمائیں اور زیادہ سے زیادہ دیگر ہم خیال احباب کے دستخط کرا سکیں۔ اور پھر انھیں کمیشن کو بھیج دیں۔

کرنے کا کام

آئینِ پاکستان کو قرآنی خطوط پر متشکل کرنے کا کام اب بڑی حد تک آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اگر یہ ہم آپ نے سر کر لی تو مبارکبادیاں ہی مبارکبادیں ہیں لیکن خدانخواستہ اگر آپ ایسا نہ کر سکے تو اس سے بڑھ کر ناکامی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ خود اسلامی زندگی سے محروم رہیں گے۔ مسلم ممالک کو غیر اسلامی زندگی کے عذاب میں مبتلا رکھیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کو دنیا کے سامنے ذلیل کر دیں گے۔ یعنی دنیا کو یہ یقین دلا دیں گے کہ اسلام (نعوذ باللہ) چلا ہوا کارتوس ہے جس کی تمام توانائی قرنِ اول میں ختم ہو گئی اور اب وہ انسانیت کے لئے بیکار محض ہے خدارا ایسی ہمہ گیر ناکامی سے بچنے کی فکر کیجئے اور ہمہ تن مستعد ہو کر آئینِ پاکستان کو قرآنی خطوط پر متشکل کرنے کے لئے سر توڑ جدوجہد کا بیڑا اٹھایئے۔ یاد رکھیئے کہ وقت تنگ ہے اور کام بے حد اہم بھی ہے اور مشکل بھی لیکن اس قدر مشکل نہیں کہ آپ کی ہمت سے باہر ہو۔ ادارہ طلوعِ اسلام نے آپ کو ضرورت سے زیادہ مسالہ مہیا کر دیا ہے۔ آپ کا سب سے بڑا ایک کام یہ ہے کہ اس مسالہ کو دوسروں تک پہنچائیں۔ صبح شام، دن رات ہر وقت پہنچائیں۔ اور پھر آئینی کمیشن کے سوالنامے کے جواب پر زیادہ سے زیادہ دستخط کرائیں۔ یاد رکھیئے کہ کام مشکل نہیں ہے صرف ہمت اور محنت چاہتا ہے۔ اس سے دریغ نہ کیجئے۔ کامیابی کا سہرا انشاء اللہ آپ کے سر ہوگا۔

حالیہ کنونشن کا حاصل یہ ہونا چاہیئے کہ آپ پبلسٹی کے لئے مستعد کارکنوں کی ایک ایسی کمیٹی بنائیں جو تفصیلات طے کرنے کے بعد سارے پاکستان میں سوالنامے کے جواب کا ایک طوفان لے آئے۔ اور چپہ چپہ پر اس پر دستخط کرانے کا تسلی بخش انتظام کرے۔ کمیٹی کے لئے پبلسٹی کا مسالہ ادارہ جوں توں مہیا کرے گا۔ یہ مسالہ مفت تقسیم ہوگا۔ لیکن اس کی تیاری صرفِ کثیر کی طالب ہوگی۔ اس خرچ کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست کنونشن میں ہو جانا چاہیئے۔ ذرا غور فرمایئے کہ یہ مسالہ جو آپ مفت تقسیم فرمائیں گے اس میں جو ۱۶ صفحات کا مجوزہ اسلامی آئین بھی شامل ہے۔ اگر یہ آپ اسے خریدتیں تو اس کی قیمتِ خرید کا بھی آپ کو بندوبست کرنا ہی پڑتا قیمت خرید کی شکل میں کچھ دینے کی بجائے پبلسٹی کے دوائے اسے نذر تصور فرما لیجئے۔

مجھے امید ہے کہ اپنے مذاکرات میں آپ ان دو امور پر خاص توجہ فرمائیں گے۔ چنانچہ کنونشن کی ایک نشست اسکے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔

عدل اور استبداد

محترم ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کی تقریر جو انھوں نے ۸ اپریل کی شب طلوع اسلام کنونشن میں فرمائی۔

عسکری انقلاب کے بعد پاکستان میں جس تعمیری دور نے جنم لیا ہے اس میں ملکی آئین کی از سرِ نو ترتیب و تدوین اہم ترین مسئلہ ہے۔ آج جبکہ آئین کمیشن نے اس کام کا آغاز کر دیا ہے۔ اخبارات میں یہ عام چرچا ہے کہ ملک کا آئین اسلامی عدل و مساوات کا آئینہ دار ہوگا۔ اور صدر مملکت اس مقصد کی تکمیل میں بہ نفسِ نفیس کوشاں ہیں۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ نیا آئین ہمیں اس قابل بنا دے گا کہ ہم اچھے مسلمانوں کی سی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ بات بڑی معقول ہے اور اس بنا پر ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اسلامی عدل و مساوات کا وہ مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں جو قرآن نے نوعِ انسانی کو عطا کیا ہے۔

عام نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو عدل آج بھی موجود ہے۔ کوئی شخص عدالت کے روبرو اپنا مقدمہ پیش کرتا ہے قاضی عدالت مروجہ قانون کی رُو سے اس کا فیصلہ صادر کرتا ہے، اور اسے عدل کہا جاتا ہے۔ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس سے قرآن کریم کے لفظ عدل کا مفہوم پورا ہو جاتا ہے اور جس قانون کی رُو سے عدل کا مقصد پورا ہو جاتا ہے کیا وہ قانون بھی عدل پر مبنی ہے یا نہیں؟ عدل قرآن کی رُو سے ایک مستقل قدر ہے۔ اور عدالتی عدل اس میں شامل ہے۔ لیکن جہاں تک اسلامی معاشرے کا تعلق ہے اس میں عدل کا مفہوم عدالت تک محدود نہیں بلکہ وہ انسانی زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہے اور اس کے ہر سانس میں عدل کی تاکید ہے۔ یوں تو عدل کا کچھ نہ کچھ تصور ہر انسانی ذہن میں موجود ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اجالے کی خوبیاں اندھیرے کے بعد ہی نکھر کر نگاہوں کے سامنے آتی ہیں جس نے ظلمتِ شب کو نہ دیکھا ہو وہ دن کی روشنی کا پورا پورا تصور ذہن میں نہیں لا سکے گا۔ چنانچہ قرآن نے نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصدِ عظیم واضح کرتے ہوئے کہا کہ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ

وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (۷:۱۵۷) یعنی وہ اس بوجھ کو اتار دے گا جس کے نیچے انسانیت دبی چلی آرہی تھی اور ان تمام زنجیروں کو توڑ ڈالے گا جنہوں نے نوعِ انسان کو جکڑ رکھا تھا۔ آخر یہ بوجھ کیا تھا اور یہ زنجیریں کیا؟ یہ ارباب قوت و اقتدار کا استبداد تھا جسے قرآن نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہی استبداد کے اندھیرے تھے جن میں مظلوم انسانیت کا امن و چین لُٹ رہا تھا۔ اور حضور نبی اکرمؐ یہ مقصد لے کر آئے۔ تھے کہ ان تاریکیوں کو عدل و مساوات کی جگمگاتی ہوئی صبح میں بدل دیں۔

انسانوں کے مفاد ہمیشہ آپس میں ٹکراتے چلے آئے ہیں اور اس ٹکراؤ سے باہمی کشمکش اور تنازعات کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ حکومت کے قیام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسے معاملات کو حسن و خوبی اور عدل و انصاف سے نپٹایا جائے۔ لیکن عام طور پر دیکھا یہی گیا ہے کہ حکمرانی کی لذت اور اقتدار کا چسکہ حکمرانوں کو ایک دوسری راہ پر ڈال دیتا ہے۔ جہاں عدل و انصاف اور فہم و بصیرت کی بجائے اپنی ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو کر وہ ہوا و حرص اور خود غرضی کا سہارا لیتے ہیں اور ہر قسم کی جوابدہی سے رُوگردانی اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی مطلق العنانی کا دوسرا نام استبداد ہے۔ فرعون اسی استبداد کا مجسمہ تھا۔ دوسری طرف پیشوائیت کا استبداد ہے جس کی گرفت انسانی ذہن پر ہوتی ہے اور ہامان اسی استبداد کا مجسمہ تھا۔ اور پھر سرمایہ داری کا استبداد ہے جو انسان کی اخلاقی جڑوں کو پامال کرتا ہے۔ قارون اسی استبداد کا مجسمہ تھا۔ قرآن کریم میں داستان بنی اسرائیل میں فرعون ہامان اور قارون کا ذکر دراصل تاریخ انسانی کے استبداد کی داستان ہے۔ اور تاریخ انسانی میں جہاں جہاں استبداد نظر آئے گا وہ اس زمانے کے فرعونوں، ہامانوں اور قارونوں کی وجہ سے ہوگا اور ان کے باہمی گٹھ جوڑ سے ہوگا۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عدل کا ذکر چھیڑنے سے پہلے جو پاکستان کے آئندہ دستور میں جگہ لینے والا ہے اس استبداد کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جس نے انسانیت کی تاریخ میں ہمیشہ تباہیاں مچائی ہیں اور اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ عہد استبداد میں معاشرے کی شکل و صورت کیا ہوتی ہے۔ استبداد انسانی تمدن پر کیا اثرات چھوڑتا ہے۔ اور خود مستبد لوگوں کی زندگی کیسی گزرتی ہے۔ تاکہ اس پس منظر میں عدل و مساوات کے صحیح خط و خال نظر آسکیں۔ واضح ہے کہ استبداد سے متعلق میری یہ تصریحات تاریخ عالم کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اور کسی ایک ملک، ایک قوم، ایک سلطنت یا ایک حکمران تک محدود یا مختص نہیں۔ یوں کہئے کہ جو کچھ میں کہوں گا اس کا تعلق استبداد کی نفسیات سے ہوگا۔ کسی خاص مستبد حکمران سے نہیں ہوگا۔

استبدادی حکومت یا تو کسی قانون یا رائے عامہ کی پابند نہیں ہوتی یا ایک حد تک پابند تو ہوتی ہے مگر اختیار رکھتی ہے کہ جب چاہے اس پابندی کو دور کر دے۔ جس طرح مطلق العنان بادشاہوں کی حکومتیں مستبد ہوتی ہیں اسی طرح ان بادشاہوں کی حکومتیں بھی مستبد ہو سکتی ہیں جن کے ہاں مجلس مشاورت تو موجود ہو مگر وہ خود جوابدہی سے آزاد ہوں۔ اسی طرح وہ حکومتیں بھی مستبد ہو سکتی ہیں جو نمائندہ یا غیر نمائندہ جماعتوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ مشاورت میں چند افراد کی شمولیت، استبداد کا سدِ باب نہیں کر سکتی بلکہ بعض اوقات اس قسم کی حکومتیں شخصی حکومتوں سے بھی زیادہ جابر اور مضر ہوتی ہیں۔ پاکستان کی سابقہ تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ نیز وہ حکومتیں بھی مستبد ہو سکتی ہیں جو عوام کی نمائندہ تو ہوں لیکن ان میں تنفیذی قوتیں قانونی

قوتوں کے سامنے جواب دہ نہ ہوں۔ اور جس میں عوام، حکمرانوں کا محاسبہ کرنے کا حق نہ رکھتے ہوں۔ غرضیکہ کوئی حکومت استبداد سے مبرا نہیں ہو سکتی۔ جب تک اقتدار قانون کا نہ ہو اور وہ قانون بھی خالصتہً انسانی ذہن کی پیداوار نہ ہو نیز جب تک حکومت قوم کے سخت گیر محاسبہ کے تحت نہ ہو۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ عادل سے عادل حکومت بھی قوم کی غفلت یا اپنی طاقت کی وجہ سے استبداد پر تل جائے۔ مفکرین کا فیصلہ اور تاریخ کی شہادت ہے کہ مستبد حاکم حق کا دشمن، آزادی کا بیری۔ اور بیک وقت دونوں کا قاتل ہوتا ہے۔ مستبد حاکم بھی بالآخر ایک انسان ہوتا ہے جو خیر و شر قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن استبداد پر فریفتہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا موقع پاتا ہے۔ مستبد کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی رعایا گائے کی طرح مطیع اور دودھ دینے والی ہو اور پالتو کتوں کی طرح ذلیل، چاپلوس اور خوشامدی ہو۔ لیکن اگر رعایا اصیل گھوڑے کی طرح خود دار اور شریف طبع ہو جو سواری دیتا ہے لیکن اگر اس کی توہین کی جائے تو سوار کو پیٹھ سے اٹھا پھینکتا ہے تو مستبد کا استبداد زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتا۔

سیاسی استبداد اور مذہبی پیشوائیت دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ دونوں انسان کی خواری اور غلامی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، تاکہ ایک کی حکومت جسم پر قائم رہے اور دوسرے کی ذہن پر۔ مذہبی تلقین و تعلیم کا لازمی نتیجہ ہر طرح کے خرافات اور اوہام کے آگے سر جھکانا ہے۔ مذہب انسان کے دل میں پہلے موہوم خطرات پیدا کرتا ہے اور پھر اُسے ایسے دروازے دکھاتا ہے جن میں گزرنے سے ان خطرات سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ مذہبی پیشوا خود ان دروازوں پر دربان بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور دروازے سے صرف اس شخص کو گزرنے دیتے ہیں جو داخلہ کی فیس پیشگی ادا کرے۔ روح کو روح کے مالک تک اس وقت تک نہیں پہنچنے دیا جاتا جب تک نذرانہ وصول نہ ہو جائے۔ اقبال کے الفاظ میں "ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن"۔ پیشوائیت عوام کو ہر وقت یقین دلاتی رہتی ہے کہ تمہاری بدحالی تمہاری تقدیر کی وجہ سے ہے۔ یا یہ کہ پچھلی جون میں جو تم نے کرم کئے ہیں یہ ان کی سزا ہے۔ یا یہ کہ انسان دنیا میں آتا ہی اپنے پچھلے گناہوں کو دھونے کے لئے ہے۔ یاد رکھئے، مذہب انسانی توہمات کا نتیجہ ہے۔ یہ اس "الدین" سے بالکل متضاد چیز ہے۔ جو حضرات انبیائے کرامؑ کی وساطت سے آیا اور جس نے یہ تعلیم دی کہ اللہ ایک ہے اور ساری کائنات اُسی کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق چل رہی ہے۔ مذہبی پیشوائیت کی طرح مستبد حکمران بھی اپنا استبداد اسی قسم کی بنیادوں پر قائم کرتا ہے۔ وہ بھی ذاتی شان و شوکت، خاندانی غرور و نخوت، فوجی قہر و جبروت، اور قتل و غارت کے ذریعے انسان کو اس قدر ذلیل و خوار اور مجبور و مرعوب کر دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چوپایہ سمجھنے لگتا ہے۔ مذہبی اور سیاسی استبداد کی اس مشابہت کی وجہ سے عوام حقیقی معبود اور مستبد حاکم کے درمیان چنداں فرق نہیں کرتے کیونکہ ان کی یکساں تعظیم کرنی پڑتی ہے۔ اسی صورتِ حال کا نتیجہ تھا کہ مستبد بادشاہوں کو ظل اللہ کہا گیا۔ ماہرین سیاست کا خیال ہے کہ مذہبی اور سیاسی استبداد کے درمیان ایک قوی رشتہ موجود ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ جہاں ایک جاتا ہے وہاں دوسرے کا پہنچنا بھی ضروری ہے۔ اسی بنا پر ایک کی اصلاح ہوتی ہے تو دوسرے کی بھی ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مذہب کے ذریعے

سیاسی اصلاح کی ابتدا سب سے پہلے حکمائے یونان نے کی۔ انھوں نے اپنے مستبد حکمرانوں کا اقتدار توڑنے کے لئے توحید الٰہی کی جگہ شرک کو رواج دیا اور کہا کہ نظامِ کائنات ایک خدا کے ہاتھ میں نہیں بلکہ متعدد معبودوں کے ہاتھ میں ہے۔ جنگ کا دیوتا اور ہے سمندر کا اور۔ بارش کا اور ہے آگ کا اور۔ غرضیکہ ہر چیز کا الگ الگ دیوتا ہے۔ انھوں نے اس عقیدہ کو سیاست کے میدان تک پہنچایا جس کی خاطر یہ عقیدہ درحقیقت وضع کیا گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ وہ بھی مقامِ وحدانیت سے نیچے اتریں۔

جب یہ عقیدہ عوام کے دلوں میں پختہ ہو گیا تو اس طرح انھوں نے بادشاہ کے کلی اختیارات کو مختلف شعبوں میں بانٹ کر جمہوری انداز کی طرح ڈال دی۔ لیکن اس باطل عقیدہ شرک سے جہاں یہ وقتی فائدہ ہوا، وہاں یہ نقصان ہوا کہ ہر طبقہ کے چالاک لوگوں کو روحانی تصرفات کے بے دھڑک دعووں کا موقع مل گیا۔ اور مستبدوں کی ایک جرار فوج تیار ہو گئی۔ اس مشرکانہ دور کے بعد تورات آئی اور اپنے ساتھ ایک نیا نظام لائی۔ اس نے بنی اسرائیل میں شرک کی عمارت ڈھا دی۔ لیکن بنی اسرائیلی بادشاہوں نے پھر اس نظام کو بدل ڈالا۔ پھر انجیل آئی اور اس نے وحدانیت پر زور دیا۔ لیکن مسیحیت نے بھی جلد اپنا چولا بدل ڈالا۔ اور اربابِ کلیسا کی تعظیم و تکریم میں اس قدر غلو کیا کہ انھیں آسمانی بادشاہت کا نائب بنا ڈالا اور آسمانی ضابطہ حیات میں ہر قسم کے تغیر و تبدل کا مجاز قرار دیا۔ سب سے آخر میں قرآن علم و حکمت کا علم بلند کئے نمودار ہوا۔ اس نے شرک کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ جمہوریت اور آمریت کے بین بین سیاسی اصول وضع کئے۔ توحید کو غیر متزلزل بنیادوں پر استوار کیا اور دنیا کے سامنے خلفائے راشدینؓ جیسی حکومت قائم کی جس کی نظیر چشمِ فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔ خلفائے راشدینؓ نے قرآن کو خوب سمجھا تھا اس پر ان کا عمل تھا۔ چنانچہ قرآنی عدل و مساوات کی بنا پر ایک ایسی حکومت قائم کی جس نے انسانوں کے درمیان ہر قسم کے امتیازات مٹا دیئے۔ حتیٰ کہ خلیفہ اور مزدور دونوں کو ایک صف میں لا کھڑا کر دیا۔ اسلامی خلیفہ کو نہ کوئی امتیاز حاصل تھا نہ اس کی معیشت کسی سے بہتر تھی۔ یہی نہیں بلکہ ان اسلامی حکمرانوں نے مسلمانوں میں اخوت و مساوات اور اجتماعی زندگی کے ایسے گہرے رشتے قائم کر دیئے جو حقیقی بھائیوں میں کم ملتے ہیں۔ اسلام نے ہر قسم کا روحانی اور مذہبی اقتدار اٹھا دیا۔ اس کے ہاں نہ کوئی پوپ تھا نہ پروہت۔ اس نے وہ تمام امتیازات ختم کر دیئے جو دوسرے مذاہب میں پیشوائیت کو حاصل تھے۔ لیکن افسوس کہ یہ نظام تھوڑے عرصے کے بعد ختم کر دیا گیا۔ اور زندگی کو پھر سے سیاست اور مذہب کے حلقوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ مستبد حکام اور مستبد پیشوائیت نے یورش کی۔ دیگر پیروانِ مذہب کی طرح اس میں قسم قسم کے تصرفات کئے اور اسے اس درجہ بگاڑا کہ اب عوام کیا خواص تک بھی حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اس تحریف و تصرف کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب امت اس خود ساختہ مذہب پر چل نہ سکی تو اسے یقین ہو گیا کہ دین کی راہ ناقابلِ گذر ہے۔ اس پر گامزن ہونا قدرتِ انسانی سے باہر ہے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان کی پستی اس قدر بڑھ جاتی ہے تو نفس ذلیل ہو جاتا ہے۔ سر جھک جاتا ہے آواز پست ہو جاتی ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جرأت مفقود ہو جاتی ہے۔ اور یہی وہ شے تھی جس پر اسلامی نظامِ حکومت اور عدل و مساوات کا دارومدار تھا۔ امت اسلامیہ کی اس ڈھیل نے حکام کے استبداد کی نئی راہیں کھول دیں۔ چنانچہ انھوں نے بڑی دلیری سے حدود اللہ کو توڑا اور امت مرحومہ کو ذلیل و خوار کر کے اپنا

غلام بنالیا۔ اللہ کے قانون کی حکومت جاتی رہی اور استبداد پورے زور کے ساتھ مسلط ہوگیا۔ اور وہ چیزیں جو اسلامی تعلیم کی ضد تھیں اسلام میں داخل ہوکر عین اسلام بن گئیں۔ مثلاً قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں کو اسلام کی بنیاد قرار دینا۔ پاپائیت اور اس کے مظاہر۔ بزرگوں کی درجۂ عبادت تک تعظیم۔ اسلاف کی اندھی تقلید۔ اسقفوں کی طرح علیحدہ علیحدہ مذہبی عہدے۔ پادریوں کا سا تجرد۔ دیروں کی طرح خانقاہوں کی تعمیر۔ رہبانیت کا رواج۔ مسیحی پیشواؤں کی طرح فرق مراتب۔ گرجا کی مساجد میں نقل۔ موسیقی کا عبادت میں شمول۔ مسیحی گرجوں کی طرح قبروں پر مساجد کی تعمیر مزاروں کی زیارت کے لئے سفر۔ ان میں چراغاں کرنا۔ ان کے آگے جھکنا۔ اہل قبور سے طالب امداد ہونا۔ بزرگوں کے عمامہ اور عصا سے برکت حاصل کرنا۔ غرضیکہ یہ اور اس قسم کی لاتعداد چیزیں اسلام میں داخل ہوگئیں جو اسلامی تعلیم کی ضد تھیں۔ قرآن سے براہِ راست ہدایت حاصل کرنے سے منع کرنا رومن کیتھولک پادریوں کے اس مسلک سے ماخوذ ہے جو انجیل سمجھنے سے اپنے علاوہ ہر ایک کو روکتے ہیں یا یہودیوں سے جنہوں نے توراۃ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اور پورے مذہب کا دارومدار تالمود پر رکھ دیا ہے۔ یا ہندوؤں سے جن کے ہاں معاشرہ میں ویدوں کا اقتدار نہیں، منوسمرتی کا ہے۔ اسی طرح آسمان سے غیب معلوم کرنا، ستاروں کی گردش سے خوفزدہ ہونا مجوسیوں سے لیا گیا ہے۔

ان بدعات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب استبداد کو بڑھانے والی اور غلامی کی بیڑیاں انسان کے پاؤں میں ڈالنے والی ہیں۔ جتنی بدعتوں نے اسلام کا خوشنما چہرہ بگاڑا ہے تمام کی تمام ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہیں اور ایک ہی مقصد رکھتی ہیں۔ یعنی انسان کو استبداد کی بھاری زنجیروں میں جکڑنا صرف جسم کو نہیں بلکہ دل و دماغ کو بھی۔ کیونکہ آزاد دل و دماغ کسی صورت میں بھی استبداد کو قبول نہیں کرتا۔

برادران! فرعونیت اور ہامانیت کے استبداد کے علاوہ قارونیت کا استبداد ہے جو انسان کی دولت پر ڈاکہ زن ہوتا ہے۔ آج قارونیت بھی دنیا کے ہر ملک میں انسانی زندگی کے ہر شعبے پر مسلط ہے۔ گھوڑ دوڑ کا میدان ہو یا کلچرل شو، سنیما کا تماشہ ہو یا غلے کی منڈی۔ کسی جماعت یا پارٹی کا دفتر ہو یا مستبد حکومت کا محکمہ۔ گھٹیا عدالت کا کٹہرہ ہو یا پیر کی گدی اور داتا کا دربار۔ قربانی کی کھالوں کی فراہمی ہو یا زکوٰۃ کی وصولی۔ ہر جگہ ایک ہی جنگِ زرگری نظر آتی ہے۔ دنیا میں کوئی جاندار ایسا نہیں جو اپنے ہم جنسوں کو کھائے۔ لیکن انسان وہ خونخوار درندہ ہے جو اپنے ہم جنس انسانوں کو کھاتا ہے۔ جوں جوں انسان مہذب ہوتا گیا۔ آدم خوری کم ہوتی گئی۔ لیکن برا ہو منحوس استبداد کا جس نے قوموں کو ظالم حکمرانوں، مذہبی پیشواؤں اور مہاجنوں کے لئے لقمۂ تر بنا دیا۔ جو ان کا مال و دولت غصب کرکے ان کا خون چوستے ہیں۔ انھیں بیگار میں پکڑ کر ان کی محنتوں کے حاصل پر قبضہ کرکے ان کی زندگی گھٹا دیتے ہیں۔ چنانچہ آدم خوروں اور مستبدوں میں فرق صرف طریقِ عمل کا ہے۔ ورنہ مقصد دونوں کا انسانی زندگی تلف کرنا ہے۔ عہد استبداد میں دولت کی غلط تقسیم لازمی ہے۔ غور فرمایئے کہ انسانیت کس طرح شعوری یا غیر شعوری طور پر اس چکی میں پستی چلی آرہی ہے۔ نوعِ انسانی کی مجموعی تعداد چار ارب ہے۔ جس میں تقریباً

نصف آبادی کا بوجھ باقی نصف آبادی پر ہے۔ یہ نصف آبادی عہد استبداد میں بسنے والی عورتوں کی ہے جنھیں قصداً ایسا نکما بنا دیا گیا ہے کہ وہ مردوں کی دستِ نگر رہنے پر مجبور ہے لیکن اس کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک غیر مہذب عورت مرد کی نصف کمائی پر ہاتھ صاف کرتی ہے تو ترقی یافتہ، نام نہاد متمدن (لپ اسٹک لگانے والی) عورت ۵۰٪ پر۔ اس کے بعد مردوں کو دیکھئے ان میں ارباب سیاست اور ارباب مذہب جو عام آبادی کا ایک فیصد حصہ بھی نہیں، انسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی کے آدھے حصے پر قابض ہو کر خوب گل چھرے اڑاتے ہیں۔ وہ صرف لذیذ غذاؤں اور زرق برق لباسوں پر ہی قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی ہوس پرستی اور شہرت پسندی کو ملی اور قومی ضرورتوں کا نام دے کر قوم کے کروڑوں روپے ضائع کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد سرمایہ دار بڑے بڑے سوداگر اور کارخانہ دار ہیں۔ ان کی آبادی بھی ایک فیصد سے زیادہ نہیں۔ لیکن ان کے ایک فرد کی زندگی پر اس قدر رقم خرچ ہوتی ہے۔ جس سے ہزاروں دستکار یا کاشتکار زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ یہ ظالمانہ طریق فرعونوں اور قارونوں کا قائم کردہ ہے۔ لیکن عین عدل سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ اُس قانون کی رُو سے بالکل جائز ہوتا ہے جسے یہ خود بناتے ہیں آپ کسی عدالت میں جا کر اس کے خلاف دعویٰ کر کے دیکھ لیجئے۔ فیصلہ آپ کے خلاف ہو گا۔ یہ سرمایہ دار حسن اور دولت کی پرستش کرتے ہیں۔ گویا یہ پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ پیٹ بھریں اور خواہشاتِ نفسانی کی پوجا کریں۔ چونکہ مال حسن سے متمتع ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لئے یہ اپنی ساری قوت اس کے حصول میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ صبح سے شام تک اسی دُھن میں مارے مارے پھرتے رہتے ہیں۔ انھیں نہ وقت پر کھانے کی فرصت ملتی ہے نہ سونے کی، بلکہ کیتھرائن کو اپنی رعایا کے سست ہونے کی بڑی شکایت تھی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ عورتوں کو عصمت فروشی پر مائل کر دیا جائے تو حالت بدل جائے گی۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوان محنت اور مشقت پر جھک پڑے اور روپیہ کمانے میں بڑی مستعدی دکھلانے لگے تاکہ وہ ان نازنینوں کی عصمت خرید سکیں۔ چنانچہ پانچ سال کی قلیل مدت میں خزانہ کی آمدنی دوگنی ہو گئی۔ یہ ہوتا ہے سرمایہ پرستوں کی مستعدی کا جذبۂ محرکہ۔ اس طرح دولت اکٹھی کر کے، یہ لوگ پیداوار کے سرچشموں کو کہ جن پر خلقِ خدا کی زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔ اس طرح دولت چند خاندانوں میں سمٹ جاتی ہے اور عوام ان کے غلام بن جاتے ہیں۔ ان کے مکانات دیکھئے۔ لندن جیسی جگہ میں، جو تہذیب و دولت کا گہوارہ ہے، جہاں ایک طرف محلات ہیں تو دوسری طرف ہزارہا انسانوں کو چند گز زمین بھی میسر نہیں جس میں وہ پاؤں پھیلا کر سو سکیں۔ پھر سود ہے۔ سود سے جمع کی ہوئی دولت بغیر کسی محنت کے معاوضے کے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اخلاق کے لئے سم قاتل، سستی کا سبب اور معاشرے کا توازن بگاڑنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔ دولت کو اگر عدل پر مبنی قوانین کے تابع نہ رکھا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس قدر دولت زیادہ ہوتی جائے اسی قدر انسان کی طمع بڑھتی جاتی ہے۔ عادل حکومتوں میں اس قسم کی طمع کا پورا ہونا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن حرص و طمع کے لئے مستبد حکومتوں میں میدان صاف ہوتا ہے۔ دولت بآسانی اکٹھی کی جا سکتی ہے۔ عوام کی حق تلفی سے، کمزور کے مال پر دست درازی سے، چور بازاری سے، دھوکہ اور

فریب سے، چوری اور رشوت خوری سے۔ مستبد حکومتوں کے زیر سایہ ان صورتوں سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ دین و ایمان اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دے۔ اور جملہ اخلاق و خودداری سے دامن جھاڑ کر مستبد اعظم یا اس کے مصاحبین و عمال کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ ان کی خوشامد کرے۔ جھوٹی گواہیاں دے۔ جاسوسی کرے۔ قزاقی کی راہیں بتلائے اس طرح جب ان کا اعتماد حاصل کرے اور ان کے اُن رازہائے سربستہ سے واقف ہو جائے جن کے افشا سے وہ ڈرتے ہوں۔ تو بس مقصد حاصل ہو گیا اور کوئی اندیشہ باقی نہیں رہا۔ بدطینت اور خبیث لوگوں کے علاوہ ہر شخص کو حتیٰ کہ مالداروں کو بھی عہد استبداد میں نقصان ہی رہتا ہے۔ ان کا مال ان کے حق میں مصیبت بن جاتا ہے۔ کیونکہ حکمراں اور ان کے اہلکار ہمیشہ اس پر دانت لگائے رکھتے ہیں۔ نیز چوروں اور ڈاکوؤں کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ جن کی نسل عہد استبداد میں خوب پھلتی پھولتی ہے۔ عہد استبداد میں دولت مند اگرچہ حکومت سے دل میں متنفر ہوتے ہیں مگر ظاہر میں اس کے حامی اور مددگار ہوتے ہیں۔ مستبد حاکم انہیں ذلیل کرتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ دولت طلب کرتا ہے تو اس کا مطالبہ پورا کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے جہاں ایسی حکومت میں مالداروں کی کثرت ہوتی ہے۔ ذلت اور رذالت بھی عام ہو جاتی ہے۔

استبداد انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ عزت اور شرافت پر چھاپہ مارتا ہے اور اسے اصلیت سے ہٹا کر جھوٹی عزت اور مصنوعی شرافت کا جامہ پہنا دیتا ہے حصولِ عزت ایک اعلیٰ مقصد ہے۔ عزت کی ہر انسان کو جستجو ہے۔ عزت کی خاطر انسان مال و جان قربان کر دیتا ہے۔ مدت تک مفکرین میں یہ بحث رہی کہ زندگی کی خواہش زیادہ عزیز ہے یا عزت۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ آزاد اور غیور انسان عزت کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن غلاموں کی نظر میں زندگی کا رتبہ عزت سے اونچا ہے۔ عزت کا صحیح راستہ یہ ہے کہ انسان نوعِ انسانی کے فائدے کی خاطر اپنے مفاد کی قربانی کرے۔ حق و صداقت کے لئے ایک فرد کی مالی قربانی ادنیٰ قربانی ہے۔ اور جان کی قربانی اعلیٰ ترین قربانی۔ عزت ہی وہ اوجِ انسانیت ہے جس کی راہ میں بہادر ہمیشہ سرفروشیاں کرتے رہے ہیں۔ عادل حکومت کے اندر عزت کا حصول آسان ہے اور ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق اس سے اپنا حصہ پا لیتا ہے۔ لیکن عہد استبداد میں اگر اس کے حصول کا کوئی راستہ ہے تو صرف یہی کہ ظلم کا مقابلہ اور قیامِ حق کے لئے سرفروشی کی جائے۔ یہ تو ہے حقیقی عزت۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایک اور عزت بھی ہے جو عہد استبداد کی پیداوار ہوتی ہے۔ یہ مستبد کے قرب سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ قرب چاہے مستبد کی ملازمت یا مصاحبت کے ذریعے ہو یا اعزازی خطابوں، تمغوں یا انعامی تلواروں وغیرہ کے ذریعہ۔ جھوٹی عزت کا شیدائی مستبد حکومت کا عطا کردہ تمغہ سینہ پر لگا کر ظاہر کرتا ہے کہ اس کے اندر ایک ظلم پسند دل ہے۔ عادل حکومت کبھی گوارا نہیں کرتی کہ عزت کا معیار جوہر ذاتی کے علاوہ کچھ اور ہو۔ اس لئے وہ انہی لوگوں کو خطاب یا اعزاز دیتی ہے جو ملکی قومی اور انسانی خدمات سے اپنے تئیں اس کا اہل ثابت کرتے ہیں۔ اور جن کی پیشانی پر غیرت ملی کے قلم سے درخشندہ سارٹیفکیٹ آویزاں ہوتا ہے۔ جھوٹی عزت والے پبلک کو یہ ظاہر کر کے دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم اپنے معاملات میں ہر طرح

آزاد ہیں۔ ہماری عزت محفوظ اور آزاد بے داغ ہے۔ حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ یہ لوگ نہ آزاد ہوتے ہیں نہ ان کی آبرو محفوظ ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنی جھوٹی عزت کو قائم رکھنے کے لئے یہ مستبدوں کی ہر قسم کی اہانت برداشت کرتے ہیں۔ مستبد انھیں جھوٹی عزت اس لئے دیتے ہیں کہ ان کے ذریعے عوام کو بآسانی دھوکہ دے سکیں۔ چنانچہ مستبد اگر اپنی حرص وہوا پوری کرنے کے لئے ملک کو جنگ کے تنور میں جھونک دیتا ہے تو یہ جھوٹی عزت والے قوم سے کہتے ہیں کہ لڑائی حق وانصاف کی تائید میں ہے۔ اگر وہ قوم کا لاکھوں روپیہ اپنی خواہشاتِ نفسانی پر صرف کرتا ہے تو یہ جھوٹی عزت والے کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ قومی عظمت کے لئے ضروری ہے۔ اگر یہ کسی حق گو سے ذاتی انتقام لیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ شخص ملک کا دشمن تھا اس لئے اس کا صفایا ضروری ہے۔ مستبد حاکم کا عوام پر ظلم اگر حد سے بھی گذر جائے تو بھی کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا ملکی مصلحت اور ملکی سیاست کا تقاضا تھا۔ بعض اوقات مستبد حکمراں ایسے لوگوں کو بھی جھوٹی عزت دے دیتا ہے جو بے ضرر اور نیک ہوں۔ جس طرح دغاباز تاجر اپنی دوکان میں چند خالص چیزیں بھی رکھتا ہے اسی طرح مستبد حکمراں کبھی بعض عقلمند، قابل اور دیانتدار لوگوں کو بھی جھوٹی عزت دیتا ہے تاکہ انھیں خریدے اور ان کے تدبر سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن جب وہ اس کے لئے خیانت سے گریز کرتے ہیں تو وہ ان سے سخت انتقام لیتا ہے۔ اس لئے مستبد حکومت میں یا تو ناکارہ جاہلوں کو رسوخ حاصل ہوتا ہے یا بدطینت خائنوں کو۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر آبادی کے اندر مختلف خاندان بستے ہیں۔ بعض میں علم وحکمت کا چرچا ہوتا ہے۔ بعض میں مال ودولت کا اور بعض میں قوت واقتدار کا۔ یہ تیسری قسم کے نواب، مستبد حکومتوں کو ہمیشہ مرغوب ہوتے ہیں۔ جس قوم کے اندر ایسے خاندانی لوگوں کی کثرت ہو جاتی ہے جن میں علم وحکمت اور شجاعت وہمت ہو تو وہ قوم جلد ترقی کی راہ پر لگ جاتی ہے اور ایسے راہنما پیدا کرنے لگتی ہے جو حیرت انگیز سرعت سے قوم کو معراجِ ترقی پر پہنچا دیتے ہیں لیکن جس قوم میں جاہ پسند "نوابوں" اور "نواب زادوں" کی اکثریت ہو جاتی ہے وہ قوم بہت جلد تباہ ہو جاتی ہے۔ یہی وہ نواب ہیں جن کا ذکر ہم نے ابھی ابھی کیا ہے۔ ان نوابوں کو مستبد حکمراں اپنا مقرب بناتا ہے۔ نوابوں کے ساتھ مستبد حکمراں کبھی کبھی سختی بھی کرتا ہے تاکہ وہ مغرور نہ ہو جائیں اور ان میں بغض وعداوت کی تخم ریزی بھی کرتا ہے تاکہ اس کے خلاف متحد نہ ہو جائیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ نواب کو انصاف کے نام پر سزا بھی دیتا ہے اور کبھی عوام کو خوش کرنے کے لئے ایک عام آدمی کو نواب پر ترجیح دے کر اسے اعزاز واکرام بھی بخشتا ہے۔ بالکل یہی پالیسی عمالِ حکومت اور مذہبی پیشواؤں کے ساتھ بھی رکھتا ہے جس سے میدان صاف ہو جاتا ہے کہ وہ جس طرح جی چاہے کرے۔ عوام کو جس طرح چاہے نچائے۔ ٹھکرائے یا کچلے۔ اس استبداد کا نام سیاست یا ڈپلومیسی رکھ لیا جاتا ہے۔ مستبد حکومت میں حکام بھی مستبد ہوتے ہیں، پولیس کے سپاہی بھی، دفتر کے چپراسی بھی، حتیٰ کہ سڑک صاف کرنے والا مہتر بھی۔ ان میں سے ہر ایک قوم کے لئے نہیں، صرف اپنے لئے ہوتا ہے۔ اپنا فریضہ ادا کرنے کے لئے نہیں بلکہ دوسروں پر حکومت جتانے کے لئے۔ اس ظلم پیشہ طبقہ کی تعداد، استبداد کی نسبت سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ عقل، تاریخ اور مشاہدہ گواہ ہیں کہ مستبدِ اعظم کا وزیر اعظم سب سے بڑا کمینہ ہوتا ہے۔

کوئی وزیر بھی مستبد کے انتقام سے نہیں بچ سکتا جب تک دونوں میں شیطان کے نام پر ایکا نہ ہو۔ لہٰذا مستبد حکومت کے وزیروں کو، استبداد کے خلاف زہر اگلتے، اصلاح کے جھوٹے فلسفے بیان کرتے اور قوم وملک کے عشق میں نالہ وشیون کرتے دیکھ کر کبھی دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ مستبد حکومت کے اندر ذاتی قوت اور توانائی نہیں ہوتی۔ جھوٹی عزت کے شیدائی اپنی جبلّی خباثت اور ذاتی مفاد کی وجہ سے طاقتور بنا دیتے ہیں۔ ایسی حکومت میں غریب کا حامی نہ کوئی امیر ہوتا ہے نہ وزیر۔

عزت کی طرح استبداد کا اثر اخلاق پر بھی پڑتا ہے۔ مستبد حکومت کے اندر انسانوں کے اخلاق وعادات تباہ وبرباد ہو جاتے ہیں۔ اس لئے عوام نہ اپنی کسی چیز کی قدر کرتے ہیں نہ حفاظت۔ کیونکہ مال ومتاع، عزت وشرافت غرضیکہ کوئی چیز بھی استبداد کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں ہوتی۔ بے وقوف بھی پریشان ہوتے ہیں اور عقلمند بھی۔ کسی کے دل میں ایسی امنگ نہیں ہوتی جو طبیعت میں جوش، عزم اور ولولہ پیدا کرے۔ اس پر استبداد اعلیٰ جذبات اور شریفانہ احساسات سے خالی ہوتا ہے اور ماں کی گود سے قبر کے گڑھے تک حیوانی زندگی میں مہمک رہتا ہے۔ وہ نہ اعلیٰ اخلاقی زندگی کے محاسن سے واقف ہوتا ہے۔ نہ اجتماعی زندگی کی خوبیوں سے آگاہ۔ نہ اس کے اندر ذہنی اطمینان ہوتا ہے نہ قلبی سکون۔ استبداد عوام سے کہتا ہے کہ حقوق مانگنے والا مجرم، اور حقوق چھوڑنے والا وفادار ہوتا ہے۔ مظلوم اگر شکایت کرے تو مفسد ہے۔ ذہین اور بیدار مغز ملحد ہے۔ سست اور ناکارہ متدیّن ہے۔ خودداری سرکشی ہے اور بلند مقصد سے محبت دیوانگی ہے۔ رحم وکرم بیماری ہے۔ منافقت تدبر ہے۔ مکاری دانائی ہے اور خوشامد اخلاق ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مستبد حکومت میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً اس میں لوگ زیادہ اطاعت شعار اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ اطاعت خوف اور بزدلی کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ عقل وفہم کی بنا پر۔ وہ کہتے ہیں کہ استبداد بڑوں کا ادب سکھاتا ہے۔ حالانکہ یہ ادب بغض ونفرت کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ محبت کے ساتھ۔ وہ کہتے ہیں کہ استبداد کے زمانے میں فسق وفجور کم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کہیں ہوتا بھی ہے تو ناداری اور مجبوری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے نہ کہ تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ استبداد میں جرائم کم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ جرائم کم نہیں ہوتے دانستہ ان کی گنتی کم کر دی جاتی ہے۔ عہد استبداد میں اعلیٰ درجہ کے انسان بھی منافقت اور ریاکاری پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ عہد استبداد میں پریس کو صحیح آزادی نہیں ہوتی۔ اس لئے اوپر کے طبقہ کی اخلاقی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔ بداخلاقیاں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہونے لگتی ہیں۔ اولاد شریر پیدا ہوتی ہے۔ شر میں پلتی ہے اور شر میں پوری زندگی بسر کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود اعتمادی کا جوہر باقی نہیں رہتا۔ خود اپنے متعلق کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہو سکتی۔ اپنی امانت داری پر بھروسہ نہیں رہتا۔ اپنی ثابت قدمی پر یقین نہیں رہتا۔ اپنے مشاغل میں استقلال نہیں رہتا۔

مستبد حکومت کے افراد جب اپنی حالت پر غور کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قوم بیمار ہے۔ بیماری کی سب سے بڑی وجہ جہالت ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ مدرسے کھولنے چاہئیں۔ تعلیم بالغاں ہونی چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم وہی

دی جاتی ہے جو استبداد کے نظام کو محکم سے محکم تر بناتی جائے۔ یا یوں کہیے کہ قوم کو زیادہ سے زیادہ استبداد کا خوگر بنائے۔ کچھ اور لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قوم کی بیماری کا سبب بے دینی ہے۔ حالانکہ اگر بغور دیکھا جائے تو بے دینی بھی استبداد کی وجہ سے ہوتی ہے اور جہالت بھی۔ قومی بیماری کا علاج اگر کچھ ہے تو صحیح آزادی ہے۔ یعنی فرعونیت ہامانیت اور قارونیت سے نجات ہے۔ استبداد مذہب کے اس حصے کو بگاڑتا ہے جو اخلاق سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ معاداات سے زیادہ پرخاش نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ مستبد حکومتوں میں مذہب صرف عبادات کی شکل میں رہ جاتا ہے۔ وہ شخصی مذہب کی آزادی دیتا ہے۔

اس کے بعد دیکھیے کہ استبداد کا اثر قومی تربیت پر کیا پڑتا ہے۔ قدرت نے انسان کو خیر و شر دونوں کی استعداد دی ہے۔ ماں باپ اسے اچھا یا برا بناتے ہیں۔ تربیت اس کے جسم، ذات اور عقل پر وہی اثر کرتی ہے جو رنگ سفید کپڑے پر۔ لیکن تربیت جو کچھ بناتی ہے استبداد اپنی سرکش قوت سے اسے ڈھا دیتا ہے۔ تربیت ہوتی کیا ہے؟ آنکھ کو محاسن دہر کے مشاہدہ کے لئے وقف کر دینا۔ زبان کو قول دخیر کا عادی بنانا۔ ہاتھ کو کمال کا خوگر بنانا۔ ضمیر کو باطل پرستی سے بچانا۔ تمام کاموں میں ترتیب و سلیقہ کا لحاظ رکھنا۔ دولت اور وقت میں کفایت شعاری برتنا اور انھیں مناسب مقامات پر صرف کرنا۔ عزت اور حقوق کی حفاظت۔ دین کی حمایت۔ وطن کی خدمت۔ خاندان کی محبت۔ علم کی اعانت۔ مظلوم کی مدد۔ ظالم سے عداوت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن استبداد قوم کو دروغ، مکر، حیلہ، دھوکا، نفاق، ذلالت اور عقل کا قتل سکھاتا ہے۔ چنانچہ عہد استبداد میں اولاد نہیں بلکہ چوپائے پالنا ہے جنھیں مستبدوں کی شکم پروری کے لئے موٹا کیا جاتا ہے۔ عہد استبداد میں انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے کم سے کم مواقع میسر ہوتے ہیں اس لئے نفیروں کی بھرمار ہوتی ہے۔ اس دور میں صحیح تربیت کی نہ طلب ہوتی ہے اور نہ یہ ممکن ہو سکتی ہے۔ تربیت اگر خوف سے خالی نہ ہو تو نفس کی ذرا بھی اصلاح نہیں کرتی بلکہ دل کو اور کمزور کر دیتی ہے اسی لئے جرائم کی بھرمار ہوتی ہے جسے نہ مدارس کی کثرت کم کرتی ہے نہ قید خانے کی سختی۔

برادران! کائنات کا ہر ذرہ حرکت میں ہے۔ حرکت کی دو سمتیں ہیں۔ اٹھان کی طرف یا پستی کی طرف۔ انسانیت بھی اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ انسانیت کی ترقی میں جسم کی ترقی بھی شامل ہے۔ علم و مال کی بھی۔ اخلاق و عادات کی بھی۔ اور سب سے اعلیٰ درجہ کی ترقی انسانی ذات کی ترقی ہے۔ استبداد ان میں سے ہر ترقی کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسے تنزل میں بدل دیتا ہے۔ کبھی کبھی استبداد کا زہر قوم پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے کہ اس کے اندر ترقی کا میلان بھی پستی کے شغف سے بدل جاتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ بلندی کی طرف زبردستی بھی بڑھائی جاتی ہے تو آگے بڑھنے سے صاف انکار کر دیتی ہے۔ وہ بلندی کی روشنی سے بھاگتی ہے۔ اگر اسے زبردستی آزاد کر دیا جائے تو بجائے مسرت و سعادت کے شقاوت اور بدبختی میں پڑ جاتی ہے بلکہ کبھی تو آزادی کے بعد اس طرح فنا ہو جاتی ہے جس طرح پالتو جانور کھلا چھوڑ دینے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔

برادران! یہ ہے فرعونوں، ہامانوں اور قارونوں کے استبداد کا مختصر سا خاکہ جسے میں نے تاریخ عالم کے مطالعہ سے مرتب

کیا ہے۔ اس میں کوئی چیز ہمارے لئے نئی نہیں کیونکہ ہم اس قوم کے افراد ہیں جو ایک مدت تک غلامی کی زندگی بسر کر چکی ہے۔ اب اس پس منظر میں دیکھئے کہ عدل و مساوات کی روشنی کیا ہوتی ہے۔ بعض مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ آج تک انسانیت کو کوئی ایسا نظام نہیں مل سکا جو استبداد سے خالی ہو۔ آیئے ہم اللہ کی طرف سے دی ہوئی ہدایت۔ رسول اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے اسوہ (PATTERN) اور عہد صدیقیؓ اور فاروقیؓ کے جگمگاتے ہوئے سورج کی روشنی میں دیکھیں کہ ان کا دعویٰ کہاں تک درست ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کی ہدایت اپنی آخری اور مکمل شکل میں آج بھی بعینہٖ اسی طرح موجود ہے جس طرح کہ رسول اللہ نے ہمیں دی۔ چنانچہ اس کسوٹی پر ہر وقت کسی بھی نظریہ کو پرکھا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑی الجھن جو مغربیوں کے ذہن میں ہے یہ ہے کہ اقتدار ہاتھ میں آنے کے بعد ہر حکومت چاہے کتنی بھی عادل کیوں نہ ہو اس کے دماغ میں کچھ نہ کچھ فتور آجاتا ہے اور وہ بغیر استبداد کے نہیں رہ سکتی۔ یہ صحیح ہے۔ مادی تصور حیات کے تحت زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن قرآن نے جو ضابطہ دیا ہے وہ اس سے الگ ہے قرآن نے مذہب کے توہمات کو مٹا کر خالص الدین دیا اور وہ انسانیت کو علت و معلول (CAUSE AND EFFECT) کی دنیا میں لے آیا۔ اس نے زندگی کی شاہراہ پر چلنے کے لئے مستقل اقدار دی ہیں جو ہر موڑ پر راہنمائی کرتی ہیں۔ سب سے پہلی بنیادی قدر جس کے گرد باقی اقدار گھومتی ہیں، انسانی ذات پر ایمان ہے۔ اور پھر یہ چیز کہ انسان کا اچھا یا برا عمل اس کی اپنی ذات پر مثبت یا منفی اثرات چھوڑتا ہے جس سے اس کی تعمیر یا تخریب ہوتی ہے۔ اور یہ کہ مثبت اعمال سے اس کی ذات کی نشوونما ہوتی ہے اور یہ کہ طبعی موت کے بعد بھی نشوونما یافتہ ذات اپنی منزلیں طے کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ اگر انسان کا اس پر محکم یقین ہو تو استبداد کا عدل و مساوات میں بدل جانا یقینی ہے۔ چنانچہ انسانیت میں خارجی تبدیلی لانے سے پہلے داخلی تبدیلی ضروری ہے۔ ایک بچہ اپنے کھلونے کو بڑی اہمیت دیتا ہے لیکن جب ذہن پختہ ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ چنانچہ مرکزی نقطہ، اقدار میں تبدیلی ہے۔ وہ استبداد جو مستبد کو بڑا مرغوب ہوتا ہے اس طرح نگاہ کی تبدیلی سے انتہائی ملعون بن جاتا ہے۔ قرآن نے ملوکیت کے استبداد کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں سے اپنا حکم منوائے۔ محکومی صرف اللہ کے قانون کی ہوگی نہ کہ اشخاص کی۔ اور کسی کو حق حاصل نہ ہوگا کہ اللہ کے دیئے ہوئے غیر متبدل قوانین میں رد و بدل کر سکے۔ اور یہ کہ ان اصولوں کی روشنی میں معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے۔ اس مشاورت میں ساری امت اپنے نمائندگان کی وساطت سے شریک ہوگی۔ اور نمائندگان کے انتخاب میں معیار قلب و دماغ کی صلاحیت ہوگی نہ کہ رنگ، نسل اور دولت کا معیار۔ قرآن نے یہ کہہ کر کہ تمام فرزندان آدم یکساں طور پر واجب التکریم ہیں انسانوں کے اندر اونچ نیچ کے سب خود ساختہ معیار ختم کر دیئے۔ نہ کالا رہا نہ گورا۔ نہ شودر رہا نہ برہمن۔ انسانوں کے اندر درجات صرف اس لئے مقرر کئے گئے کہ تقسیم کار ہو سکے۔ اور مدارج کا معیار صرف سیرت و کردار کی بلندی اور حسن کارکردگی کو رکھا اور اعلان کیا کہ تمام اقوام عالم اصل کے اعتبار سے ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ قرآن نے

پیشوائیت کے استبداد کو یہ کہہ کر ختم کردیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ (INTER MEDI ARY) کوئی دربان نہیں۔ چنانچہ خالق و مخلوق کے درمیان سے سب پردے اٹھا دیئے اور پیرانِ کلیسا کو چھٹی مل گئی۔ قرآن نے کہا کہ اطاعت خدا کے اس قانون کی ہوگی جو اس نے اپنے رسولؐ کی وساطت سے نوعِ انسانی کو دیا اور یہ اطاعت اس نظام کے توسط سے ہوگی جو اس قانون کو عملاً نافذ کرنے کے لئے وجود میں آئے۔ اس نظام کی طرف دعوت علیٰ وجہ البصیرت دی جائے گی۔ کسی سے کوئی عقیدہ زبردستی نہیں منوایا جائے گا۔

قرآن نے قارونی استبداد کو یہ کہہ کر ختم کردیا کہ ذرائع رزق و وسائل پیداوار کو تمام نوعِ انسانی کی پرورش کے لئے کھلا رہنا چاہیئے۔ اور ضرورت سے زیادہ دولت کسی کے پاس جمع نہ رہنی چاہیئے۔ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری معاشرہ پر رہنی چاہیئے۔ کوئی فرد اپنی ضرورت کے لئے دوسرے کا محتاج نہ ہو۔ ہر شخص کو اتنا ملے جتنی کہ وہ محنت کرے۔ ہر وہ ماحصل جو محض سرمایہ (CAPITAL) سے حاصل ہوا سے ناجائز قرار دیا۔ ایک تو قانونی عدل ہے کہ پہلے طے کرلیا جائے کہ مزدور کو اس قدر دینا ہے۔ یہ عدل ایک اضافی چیز ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو بات طے کی ہے وہ بھی عدل پر مبنی ہے یا نہیں؟ قرآن خودساختہ قوانین کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔ قرآن نے صرف اس تجارت کو جائز قرار دیا جس میں لینے اور دینے کے پیمانے ایک ہوں۔ آجکل تجارت میں بنیادی نقطہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے اور کم سے کم منافع دیا جائے۔ قرآن نے اسے تباہی اور بربادی قرار دیا ہے اور ہر ایسے سودے کو جس میں کم دیا جائے اور زیادہ لیا جائے ربوٰ کہا ہے۔ خودساختہ قوانین کی رُو سے چاہے یہ جائز قرار دیا جائے لیکن از روئے قرآن یہ عدل سے بعید ہے۔ آج کے مغربی مفکرین کا خیال ہے کہ انسان وہی انسان رہ سکتا ہے جو ایسا پیشہ اختیار کرے جو نہ اس قدر ذلیل ہو کہ اس سے ضروریاتِ زندگی بھی پوری ہو سکیں نہ اس قدر دولت پیدا کرے کہ اسے سرکش بنا دے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اصول قارونیت کو ختم کرنے کے لئے موثر قدم نہیں بن سکتا۔ انسانوں کے اندر تقسیم کار کی خاطر ہر قسم کے پیشہ وروں کی موجودگی لازمی ہے۔ چنانچہ قارونیت کو مٹانے کے لئے مؤثر طریق وہی ذہنی انقلاب ہے جس میں ہر فرد معاشرہ کا یقین ہو کہ جس طرح میرے جسم کی نشوونما لینے میں ہے اسی طرح میری ذات کی نشوونما دینے میں ہے اور یہ زائد از ضرورت مال میرا نہیں معاشرہ کا ہے۔ قرآن کی اس لازمی تعلیم کا نتیجہ استبداد کی بیخ کنی اور عدل کے نفاذ کی صورت میں سامنے آیا۔ قرآن نے صرف اصولوں کی تعلیم تک بات نہیں چھوڑی بلکہ انکو نافذ کرنے کی ذمہ داری امتِ مسلمہ کو سونپی۔ قانون کے نفاذ کے لئے تمکن فی الارض کو شرط قرار دیا اور اسلامی مملکت کا مقصد وحید اس قانون کا نفاذ قرار دیا۔ قانون کے نفاذ میں کبھی جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا۔ ہر انسان کو آزادی دی کہ جو چاہے عقل و فکر اور غور و تدبر کے بعد قرآنی نظام میں داخل ہو جائے لیکن جب ایک مرتبہ داخل ہو جائے تو پھر قانون کی پابندی لازمی ہے۔ اور جو لوگ بطیبِ خاطر اس نظام میں داخل نہ ہوں ان کے لئے علیحدہ حدود مقرر کئے۔ چنانچہ رسول اللہ ..... نے مملکت کی بنیاد ایسے افراد مملکت کے اندر رکھی جن کا اپنی ذات اور قانونِ مکافاتِ عمل پر یقین پختہ ہو چکا تھا۔ اور جہاں حکم نہ کسی فرد کا تھا نہ کسی پارٹی کا

تھا جبرت اللہ کے قانون کا تھا اور اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حاجب و دربان باقی نہ رہا تھا یہاں تک کہ خود رسول اللہ اپنی بشریت کے تقاضوں کو قانون کے تقاضوں سے الگ رکھتے تھے۔ یہ مملکت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانے میں پروان چڑھی اور اس نے جو تاریخ پیدا کی وہ آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق ہیں۔ لیکن جب خلافت علیٰ منہاج رسالت کے بعد ملت اسلامیہ کے اندر پھر فرعون و ہامان و قارون پیدا ہو گئے تو استبداد کا پھر دور دورہ ہو گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ رسول خدا اور خلفائے راشدینؓ کے عہد کا عدل و مساوات کیا تھا۔ اس کا اندازہ صدر اول کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔ کسی حاکم کے کیریکٹر کو پرکھنے کے لئے اولاً یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک حاکم ہونے کی حیثیت سے وہ اپنی بشریت کو کس حد تک الگ رکھتا ہے اور قانون پر کس حد تک چلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حکومت کے REVENUE میں اس حاکم کا اپنا کتنا حصہ ہے اور اس کے اپنے اور عوام کے معیار زندگی میں فرق کیا ہے۔

[اس کے بعد محترم مقرر نے نبی اکرمؐ اور شیخینؓ کے عہد مبارک کے جستہ جستہ واقعات سے بتایا کہ انہوں نے استبداد کو مٹانے اور اس کی جگہ عدل قائم کرنے کے لئے قرآن کریم کی تعلیم پر کس طرح عمل کر کے دکھایا۔ قلت گنجائش کی وجہ سے ہم ان تاریخی واقعات کو حذف کرتے ہیں جس کا ہمیں افسوس ہے۔ اس کے بعد فاضل مقرر نے کہا ــــــ]

میں عرض کر چکا ہوں کہ استبداد کو مٹا کر اس کی جگہ عدل لانے کے لئے پہلے زندگی کی اقدار کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہی کلیدی نقطہ ہے جیسی اقدار ویسی زندگی۔ اقدار کے بدلنے سے زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے۔ نگاہ کا زاویہ بدلنے سے داخلی انقلاب آتا ہے۔ اور داخلی انقلاب کے بعد خارجی انقلاب کا آنا لازمی ہے۔ رسول اللہ اس انقلاب کو (BY REVOLUTION) لائے تھے۔ لیکن فرعونوں، ہامانوں اور قارونوں نے پھر نگاہ کے زاویے بدل دیئے۔ لیکن قرآن کی دی ہوئی روشنی چھپ نہیں سکی۔ اور اب وہ (BY EVOLUTION) اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی نمودار ہوتی چلی جا رہی ہے۔ انسانیت اپنے حالات سے مجبور ہو کر ان مستقل اقدار کی طرف بڑھ رہی ہے جو قرآن نے دی ہیں۔ انسانیت کا زاویہ نگاہ بہر صورت بدل کے رہے گا۔ لیکن اگر کوئی موجودہ قوم یا حکمران کائناتی قوتوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ انقلاب آج آ سکتا ہے جو دس بیس یا سو سال کے بعد آنے والا ہے۔ آج بھی اگر کوئی مرد مومن میدان میں آ جائے تو اس کی ایک نگاہ سے تقدیریں بدل سکتی ہیں۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ حکم اللہ کے قانون کا ہو جن کے ہاتھ میں اس قانون کا نفاذ ہو وہ اپنی بشریت کے تقاضوں کو قانون کے تقاضوں سے الگ رکھیں اور اپنا معیار زندگی ایک عام انسان کے معیار زندگی کی سطح پر لے آئیں۔ اس صورت میں پھر وہی عدل و مساوات کا دور واپس آ سکتا ہے جو صدر اول میں تھا۔ اور مغربی مفکرین آج پھر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ استبداد کے بادل زمانے کی فضاؤں سے کیسے چھٹ سکتے ہیں۔ ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ سہرا ہمارے موجودہ صدر مملکت کے سر بندھ سکے کیونکہ وہ اپنے اعلانات میں بار بار اپنے اس عزم کا اظہار فرما چکے ہیں۔ لیکن اس کے لئے ان تمام شرائط کو پورا کرنا لازمی ہے جن کا معیار خود قرآن کریم نے مقرر کیا ہے اور جن کا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں۔ استبداد میں جکڑی ہوئی انسانیت

میں از سرِ نو قرآنی نظام کا قیام بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔ ایسا نظام سرمایہ دار حکومتوں کے لئے خوش آیند ہو سکتا ہے نہ دہریت زدہ حکومتوں کے لئے۔ دونوں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گی کہ قرآنی نظام معرض وجود میں نہ آئے۔ کیونکہ ان میں سے اول الذکر کی بنیاد اگر قارونیت پر ہے تو موخرالذکر کی بنیاد فرعونیت پر۔ ان خارجی قوتوں کے علاوہ داخلی قوتوں کا مقابلہ بھی آسان کام نہیں۔ اس کی توقع عام سیاستدانوں سے نہیں کی جاسکتی۔ لیکن ایک مسلمان سپاہی سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کیونکہ سپاہی کی طبیعت میں عزم اور استقلال ہوتا ہے اور کام کے کرگذرنے کی صلاحیت (بھی موجود) ہوتی ہے۔ اسلامی نظام کے قیام کی صورت میں ذہنی طور پر ہر قسم کے مسائل سے عہدہ برا ہونا بھی آسان نہیں۔ لیکن اس ضمن میں طلوعِ اسلام کی خدمات ہر وقت حاضر ہیں۔ اندریں حالات میں محترم صدر مملکت پاکستان تک یہ آواز پہنچانا چاہتا ہوں کہ اگر انہوں نے مملکت کے اندر وہی نظامِ عدل و مساوات قائم کر دکھایا جس کی تعلیم قرآن کریم نے دی ہے اور جس کا عملی نمونہ رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ نے پیش کیا تھا تو تاریخ میں ان کا نام سنہری حروف میں لکھا جائے گا جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ لیکن اگر خدانخواستہ ملک کا آئین قرآنی خطوط پر نہ بنا اور قرآن کے اصولوں سے ہٹ کر، انسانی ذہن کے تراشیدہ قوانین کی رو سے "عدل و مساوات" قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ تو پھر یہ دعوٰے کہ "پاکستان کا آئین اسلامی عدل و مساوات کا آئینہ دار ہوگا وہ آئین ہمیں اس قابل بنا دے کہ ہم اچھے مسلمانوں کی سی زندگی بسر کر سکیں" کبھی شرمندۂ معنی نہیں ہو سکے گا۔ خدانخواستہ ایسا ہوا تو پھر بہر صورت زمانہ تو اپنی رفتار کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا قرآنی انقلاب کی طرف بڑھتا چلا جائے گا لیکن ہماری اپنی کیفیت یہ ہوگی کہ

ع ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مجھے امید واثق ہے کہ جن حضرات کے ہاتھوں ہمارے آئین کا پیکر تیار ہونا ہے وہ ان حقائق کو ضرور پیش نظر رکھیں گے۔ استبداد کی جڑ صرف قرآنی آئین سے کٹ سکتی ہے۔ والسلام۔

کراچی کے دوستو!

آؤ اور ہر اتوار کی صبح ساڑھے نو بجے، سندھ اسمبلی ہال (متصل سعید منزل) بندر روڈ میں مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب سے سنو کہ قرآن کریم ہماری معاشرتی، سیاسی اور معاشی مشکلات کا حل کیا پیش کرتا ہے۔

قرآن کی بات ——— مفکرِ قرآن کی زبان سے

(بزمِ طلوعِ اسلام کراچی کے زیرِ اہتمام)

زندگی کا مقصد کیا ہے؟

محترم لطیف الرحمٰن صاحب صدیقی کی وہ تقریر جو انہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن کے ۹ اپریل کے صبح کے اجلاس میں ارشاد فرمائی۔ صدیقی صاحب گذشتہ چھبیس برس سے پرویز صاحب کے رفیق سفر چلے آرہے ہیں۔

آپ کسی شام لوہاری دروازے کے باہر، انارکلی کے چوک میں، یا کراچی کی کسی بارونق سڑک پر ایک طرف کو کھڑے ہو جائیے اور جو کچھ آپ کے سامنے سے گذرے اس کا مطالعہ کرتے جائیے۔ آپ دیکھیں گے کہ انسانوں کا ایک ریلا ہے جو مسلسل اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چلا آرہا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی دھن میں چل نہیں بلکہ بھاگ رہا ہے۔ کوئی مغموم۔ کوئی ہشاش بشاش۔ کوئی پریشان کوئی افسردہ۔ کوئی پیدل۔ کوئی سواری پر۔ ویسے تو یہ سب ایک ہجوم دکھائی دیں گے۔ لیکن ہر شخص اپنے اپنے خیال میں یوں منہمک ہوگا گویا۔ کسے را بکسے کارے نباشد۔ ایک افراتفری کا عالم۔ ایک نفسا نفسی کی کیفیت۔

اب آپ آگے بڑھ کر ان سے پوچھنا شروع کیجئے کہ وہ کس کام کے لئے گھر سے نکل کر یوں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ آپ کو جو جوابات ملیں ان کا الگ بیٹھ کر تجزیہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ کام کچھ اس قسم کے ہوں گے۔

۱۔ کھانے پینے، اوڑھنے پہننے کی چیزیں مہیا کرنے کا دھندا۔

۲۔ فکرِ معاش

۳۔ علاج معالجے کا سلسلہ

۴۔ جھگڑوں تنازعوں کا معاملہ۔ بیاہ شادی کا قصہ۔

۵۔ بچوں کی تعلیم کا مسئلہ

(۷) سیر و تفریح۔ میل ملاقات۔

آپ اس ہنگامے کو چھوڑ کر کسی دوست کے ہاں جایئے جو اپنی عمر کے آخری مراحل میں سے گذر رہا ہو۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ نہایت اطمینان کا سانس لے کر کہے گا کہ صاحب! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ میری زندگی بڑی کامیابی سے گذر رہی ہے۔ عمر بھر نوکری کی اور بڑی عزت کی نوکری کی۔ معاش کی طرف سے بے فکری رہی۔ بچوں کو پڑھایا لکھایا اور اب وہ سب اپنے ہاں خوشحال ہیں۔ بیٹیاں بیاہیں وہ اپنے اپنے گھر خوش ہیں۔ مجھے پنشن مل رہی ہے اس لئے میں کسی کا محتاج نہیں رہنے کو اپنا مکان ہے۔ صحت ابھی تک خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ اس سے زیادہ انسان کو اور کیا چاہیئے۔

اب اس دوست کو بھی چھوڑیئے اور اپنے کمرے میں تنہا بیٹھ جایئے اور سوچئے کہ آپ کے پیش نظر اپنی زندگی کا کیا پروگرام ہے؟ کاروبار کو فروغ دینے کی اسکیمیں تاکہ معاش کی طرف سے بے فکری ہو۔ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کی تجاویز تاکہ وہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونے کے قابل ہو جائیں اور کسی کے دست نگر نہ ہوں۔

آپ اس تمام پروگرام کو سمیٹیئے تو آپ دیکھیں گے کہ آخر الامر یہ دو شقوں میں سمٹ جاتا ہے۔ یعنی

(۱) اپنی زندگی بے فکری سے گذارنے کی سبیل۔ اور

(۲) اولاد کو بے فکری کی زندگی گذارنے کے قابل بنانے کی تجاویز۔

یعنی ——— اپنی پرورش اور اپنی اولاد کی پرورش۔

اب آپ کسی حیوان کو لیجئے اور دیکھئے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنی پرورش کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس بچے کی پرورش کی فکر کرتا ہے تاکہ بچہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے۔

اس تقابل کے بعد آپ سوچئے کہ ہماری زندگی کے مقصد اور حیوان کی زندگی کے مقصد میں کچھ بھی فرق ہے؟ اس مقصد کے حصول کے ذرائع مختلف ہو سکتے ہیں۔ لیکن مقصد تو بہرحال دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی مقصد کے لحاظ سے انسان اور حیوان ایک ہی سطح پر ہیں۔

انسانی سطح سے بلند ہو کر ذرا قومی سطح پر آجایئے اور دیکھئے کہ قوموں کے سامنے مقصد زندگی کیا ہے؟

(۱) اس خطہ زمین کی حفاظت جس میں وہ قوم بستی ہے۔

(۲) کمزور قوموں کے ملک پر حکومت تاکہ اس طرح ان کی دولت کھینچ کر اپنے ملک میں لائی جائے۔

(۳) برابر کی قوموں سے معاہدات تاکہ طاقتور قومیں اس کو اپنا محکوم نہ بنالیں۔

(۴) فطرت کی قوتوں کی تسخیر ــ تاکہ زیادہ سے زیادہ قوت فراہم کی جائے۔ اور اس قوت کو اپنے استحکام اور کمزور اقوام کی پامالی میں خرچ کیا جائے۔

(۵) اندرونِ ملک میں قیامِ امن تاکہ بدامنی سے ملک کمزور نہ ہو جائے۔

لیکن یہ سب کچھ کس لئے؟ اس لئے کہ ملک میں رہنے والوں کی پرورش اچھی طرح سے ہو سکے۔ اور آنے والی نسلوں کی پرورش کی طرف سے اطمینان ہو جائے۔

آپ نے دیکھا کہ مقصد کے اعتبار سے ہم پھر وہیں پہونچ گئے! یعنی وہی حیوانی سطح کی زندگی کا مقصد۔ جو حیوانات گلہ بنا کر (IN HERDS) رہتے ہیں ان کی اجتماعی زندگی کا بھی وہی مقصد ہوتا ہے جو قوموں کی زندگی کا مقصد ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ان کے اندر وہ تنازعات پیدا نہیں ہوتے جو انسانی زندگی کا گویا لازی جزو بن گئے ہیں۔ اور جن کے نپٹانے کے لئے ہماری اس قدر توانائیاں صرف ہو جاتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر مقصدِ زندگی کھانا پینا، بچے پیدا کرنا اور مرجانا ہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں فرق کیا ہے؟ آپ کہیں گے کہ انسان علم میں ترقی کر رہا ہے۔ اس نے بہت سی ایجادیں کی ہیں۔ جس انداز سے یہ زندگی بسر کرتا ہے وہ حیوانات کو کہاں نصیب ہے! یہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے مقصدِ زندگی پر کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کا علم۔ اس کی ایجادیں۔ اس کی تہذیب۔ اس کا تمدن۔ سب ذرائع ہیں کسی مقصد کے حصول کے۔ اگر مقصد وہی ہے جو حیوانات کا ہے یعنی کھانا پینا۔ بچے پیدا کرنا اور مرجانا۔ تو ان ذرائع کے ممتاز ہونے سے اصل مقصد ممتاز نہیں ہو جاتا۔ وہ تو وہی رہتا ہے۔

اگر انسان نام ہے محض اس کے جسم کا جو مرنے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے تو پھر انسانی زندگی کا مقصد کھانے پینے، بچے پیدا کرنے (اور مرجانے) کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ فرق اتنا ہی ہوگا کہ کسی نے آرام و آسائش کے ساتھ زندگی گذار لی کسی نے تنگی ترشی میں۔ کسی کو اچھا کھانے پینے کو مل گیا کسی کو روکھا سوکھا۔ کسی نے امیری میں زندگی بسر کی کسی نے غریبی میں۔ لیکن مقصد کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

انسانی زندگی کا مقصد حیوانی زندگی کے مقصد (کھانے پینے۔ اولاد پیدا کرنے اور مرجانے) سے بلند اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اسے تسلیم کیا جائے کہ انسان میں حیوانات سے زیادہ کوئی چیز ہے ایسی چیز جو جسم کی موت کے ساتھ نہیں مرجاتی اس چیز کو (جو حیوانات کو نہیں ملی۔ صرف انسان کو ملی ہے) انسانی ذات (HUMAN PERSONALITY) کہتے ہیں یہ ہر انسانی بچہ کو پیدائش کے ساتھ یکساں طور پر ملتی ہے۔ لیکن یہ ذات بنی بنائی۔ نشوونما یافتہ۔ مکمل شکل میں نہیں ملتی۔ یہ غیر نشوونما یافتہ (UNDEVELOPED) شکل میں ملتی ہے۔ جوں جوں اس کی نشوونما ہوتی جاتی ہے انسان میں ان جوہروں کی نمود ہوتی چلی جاتی ہے جو اسے حیوانات سے ممتاز کرتے ہیں۔ انہی جوہروں کا عملی مظاہرہ سیرت کی بلندی یا کیریکٹر کہلاتا ہے جب اس کی ذات کی نشوونما ہو جاتی ہے تو انسان کا موت سے کچھ نہیں بگڑتا۔ یہ اس کے بعد بھی زندہ اور باقی رہتا ہے۔ اور زندگی کے اگلے مراحل طے کرنے چلا جاتا ہے جو موجودہ زندگی کی سطح سے کہیں بلند اور ممتاز ہیں۔

انسان کو موجودہ زندگی اس کی کوشش اور محنت کے بغیر مل گئی ہے۔ یعنی ہم جو انسانی شکل میں پیدا ہو گئے ہیں تو اس میں ہماری محنت یا کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن ہماری ذات کی نشوونما ہماری محنت اور کوشش کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ہمیں علم حاصل کرنے کی صلاحیت تو ملی ہے۔ لیکن علم حاصل کرنے کے لئے محنت اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے علم خود بخود حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہماری ذات ہمیں ایک صلاحیت کی شکل میں (IN A POTENTIAL FORM) ملی ہے۔ اس صلاحیت کی نشوونما ہماری محنت اور کوشش سے ہوگی۔

جس طرح جسم کی پرورش کے لئے خاص قاعدے اور قانون (PHYSICAL LAWS) مقرر ہیں۔ اسی طرح انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی قاعدے اور قانون مقرر ہیں۔ ان قوانین کو مستقل اقدار (PERMANANT VALUES) کہتے ہیں۔ ذات کی نشوونما، مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے۔ مثلاً میرے جسم کی پرورش اس چیز سے ہوتی ہے جسے میں کھاتا ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں آپ کو کھلاتا جاؤں اور پرورش میرے جسم کی ہوتی جائے لیکن انسانی ذات کی پرورش اس سے ہوتی ہے جسے میں دوسرے حاجتمندوں کو دیتا جاؤں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں خود کھانا چھوڑ دوں اور دوسروں کو کھلاتا جاؤں۔ اگر میں خود کھانا چھوڑ دوں تو میرے جسم کی پرورش نہیں ہوگی۔ اور جب جسم نہیں رہے گا تو پھر ذات کی پرورش کس طرح ہو سکیگی۔ اس دنیا کی زندگی میں ذات کی پرورش جسم کی پرورش کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش بھی بہت ضروری ہے۔ لیکن اپنی پرورش کی ضروریات سے زیادہ جو کچھ ہو اسے ان کی پرورش کے لئے دے دینا ہوگا جن کی ضروریات ان کی کمائی سے پوری نہیں ہوتیں۔ اس کا اطمینان بخش انتظام انفرادی طور پر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اجتماعی نظم و نسق یا مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مملکت تمام افراد میں ان کے مناسب حال کام کی تقسیم کرتی ہے۔ ہر فرد پوری پوری محنت سے کام کرتا ہے۔ ملک کی پیداوار مملکت کی تحویل میں رہتی ہے۔ اور مملکت تمام افراد کی ضروریاتِ زندگی کو ان کے حسب حال پورا کرتی چلی جاتی ہے۔

اس طرح

(۱) کوئی شخص ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں رہتا۔

(۲) کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے خیرات نہیں لیتا۔ نہ ہی اس پر کسی کا احسان ہوتا ہے۔ اور

(۳) زیادہ کمائی کرنے والوں کی زائد از ضروریات کمائی، دوسروں کی نشوونما کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ اس طرح کوئی جھگڑا ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ لوگوں کے مفاد کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ نہ ہوس بڑھتی ہے۔ نہ اونچ نیچ رہتی ہے۔ زمیندار اور کاشتکار کے جھگڑے۔ مالک مکان اور کرایہ دار کے جھگڑے۔ آقا اور غلام کے جھگڑے۔ کارخانہ دار اور مزدور کے جھگڑے۔ قرضخواہ اور مقروض کے جھگڑے سب ختم ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص زیادہ سے زیادہ محنت کرتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ میں جس قدر زیادہ دوسروں کی پرورش کے لئے دوں گا۔ اسی قدر زیادہ میری ذات کی نشوونما ہوگی۔

یہاں صرف ایک مستقل قدر کا ذکر بطورِ مثال کیا ہے۔ قرآن کریم میں وہ تمام مستقل اقدار نہایت واضح شکل میں بیان کردی گئی ہیں جن کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس طرح انسان اس زندگی میں بھی سرفرازی، سربلندی اور امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور مرنے کے بعد زندگی کی مزید منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا مقصد زندگی ہے انسانی ذات کی نشوونما۔ یہ نشوونما مستقل اقدار کے مطابق اجتماعی زندگی بسر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لئے ایک ایسی مملکت کی ضرورت ہوتی ہے جو قرآن میں بتائی ہوئی مستقل اقدار کے مطابق معاشرہ قائم کرے۔ اسی مملکت کو قرآنی یا اسلامی مملکت کہتے ہیں۔

افراد کا مقصد زندگی قرآنی مملکت کا قیام ہے۔ اور قرآنی مملکت کا مقصد افراد کے جسم اور ذات کی نشوونما۔ یہ وہ مقصد ہے جو انسان کو حیوانی سطح سے بلند لے جاتا ہے۔ اگر یہ مقصد نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ کھانا پینا، اور اولاد پیدا کرنا حیوانی سطح زندگی کا مقصد ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ آپ کس سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایک فقرہ میں یوں سمجھئے کہ انسان کی زندگی کا مقصد ہے اپنی ذات کی نشوونما جس کے پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ انسان نوعِ انسانی کی پرورش اور نشوونما کے لئے کیا کچھ کرتا ہے۔ اسی عمل کو بقا حاصل ہے۔

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷)

"بقا اسی کو حاصل ہے جو تمام نوعِ انسان کو فائدہ پہنچائے۔"

پیشگی خریداران کی اطلاع کیلئے!

سابقہ اعلانات کے مطابق آپ کا حساب کتاب مکتبہ طلوع اسلام ۲۷۔ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور کو منتقل کیا جا چکا ہے اور مطلوبہ کتب کے لئے آپ براہِ راست مکتبہ سے خط و کتابت کرتے ہیں۔

لیکن "طلوع اسلام" کی اشاعت و فروخت اور انتظامات کلیۃً ادارہ کی تحویل میں ہیں اور مکتبہ کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا طلوع اسلام کا چندہ براہِ راست ادارہ کو بھیجا جانا چاہیئے۔ چندہ کھاتے میں محسوب نہیں ہوگا۔

——— ناظم ادارہ طلوع اسلام

۲۵۔ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

آئین کمیشن کا سوالنامہ

اور

اس کے جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئین کمیشن کے سوالنامہ کے جوابات

(حالاتِ حاضرہ اور قرآن کریم کی روشنی میں)

سوال نمبر ۱۔ آپ کے خیال میں پاکستان میں پارلیمانی طرز کی جمہوری حکومت کی ناکامی کی نوعیت اور اسباب کیا تھے جن کی بنا پر آخر الامر سنہ ۱۹۵۶ء کے آئین کو منسوخ کرنا پڑا؟

جواب۔ اس سوال کا جواب تھوڑی سی وضاحت چاہتا ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء سے سنہ ۱۹۵۶ء تک کا زمانہ پاکستان میں بے آئینی کا زمانہ تھا۔ یعنی اس زمانہ میں یہاں کوئی آئین ہی نہیں تھا۔ حکومت کا کاروبار گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۳۵ء کے مطابق چل رہا تھا جسے تشکیل پاکستان کے وقت، تھوڑے سے رد و بدل کے بعد اپنا لیا گیا تھا۔ آئینِ پاکستان شروع سنہ ۵۶ء میں منظور تو ہو گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے عملاً نافذ ہی نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ اس کے تابع نئے انتخابات تک نہیں کئے گئے۔ لہٰذا ملک کے حالات کی اس ابتری کا بنیادی سبب، جس کی رُو سے عسکری مداخلت ناگزیر ہو گئی تھی کسی خاص آئین کے نقائص یا اندازِ حکومت کے اسقام نہ تھے۔ اس کے حقیقی اسباب اس سے کہیں گہرے تھے۔ طرزِ حکومت کے نقص کو اس میں ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے حقیقی اسباب کا سراغ لگانے کے لئے ہمیں ذرا پیچھے جانا پڑے گا۔

تحریکِ پاکستان کی بنیاد اس مطالبہ پر تھی کہ مسلمانوں کو ایک آزاد خطۂ زمین ملنا چاہیئے جس میں وہ قرآنی تصورات کے مطابق اسلامی نظام قائم کر سکیں۔ اس نظام میں ایک طرف افرادِ مملکت کو زندگی کی بنیادی ضروریات کی طرف سے پورا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ان کی ذات کی نشو و نما ہوتی چلی جاتی ہے۔ یوں ان کی دنیا بھی خوشگوار ہو جاتی ہے اور عاقبت بھی سنور جاتی ہے۔ جہاں تک عوام کی معاشی ضروریات کا تعلق ہے، علامہ اقبالؒ نے سنہ ۱۹۳۷ء میں قائداعظمؒ کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ

اسلامی آئین کے گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامانِ پرورش ضرور مل جاتا ہے۔

پاکستان کے اس تصور کو سامنے رکھتے ہوئے قوم نے اس کے مطالبہ کو متفقہ طور پر پیش کیا اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرتی رہی۔ تشکیلِ پاکستان کے بعد قوم سے کہا گیا کہ اب یہاں وہ آئین نافذ کیا جائے گا جس کے لئے یہ مملکت حاصل کی گئی ہے بعض حلقوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ پاکستان کا آئین کس قسم کا ہوگا؟ اس کے جواب میں قائدِ اعظمؒ نے جنوری ۱۹۴۸ء میں سندھ بار ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

> میں تو یہ نہیں سمجھ سکا کہ لوگوں کو اس استفسار کی ضرورت کیوں پڑ رہی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا یا نہیں؟ اسلامی اصول تو ایسے ہیں جن کی نظیر دنیا میں کوئی بھی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ اصول آج بھی اسی طرح کارگر ہیں جس طرح آج سے تیرہ سو سال پہلے تھے۔

انھوں نے جولائی ۱۹۴۸ء میں فرمایا کہ

> ہمارے پیشِ نظر مقصد یہ ہے کہ یہاں کے عوام خوشحالی اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔.... اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں جو اسے تباہیوں سے بچانے اور نوعِ انسانی کی بہبود، مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو سکے۔ یہ کام اسلامی نظام کے سوا اور کسی نظام سے نہیں ہو سکتا۔
>
> (اسٹیٹ بنک کی افتتاحی تقریر)

وزیرِ اعظم پاکستان محترم لیاقت علی خان مرحوم نے، جنوری ۱۹۴۸ء میں، اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

> ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک خطۂ زمین حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اسلامی اصولوں کو آزما سکیں۔..... پاکستان صحیح معنوں میں اسلامک اسٹیٹ ہوگا جس میں طبقاتی امتیاز ختم کر دیا جائے گا

پھر انھوں نے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں فروری ۱۹۴۹ء میں فرمایا۔

> حصولِ پاکستان سے پیشتر ہم نے جو وعدے مسلم قوم سے کئے تھے انھیں پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ ہی اس مقصد کے لئے کیا تھا کہ ایک ایسا خطۂ ارض میسر آجائے جس میں ہم اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی تقدیر کی تشکیل کر سکیں۔ ہمیں ایک تجربہ گاہ کی ضرورت تھی۔ ایک ایسی حکومت کی ضرورت تھی جو اسلامی اصولوں پر کاربند ہو۔ ایسی حکومت جو دنیا میں بہترین ہو۔

چنانچہ واضعینِ آئین نو سال تک عوام کو اس امر کا یقین دلاتے رہے کہ وہ صحیح اسلامی آئین مرتب کریں گے جس سے

لوگوں کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ لوگوں نے ان وعدوں پر یقین کرتے ہوئے نو سال کا لمبا عرصہ صبر و سکون سے گزارا۔ لیکن جب وہ آئین سامنے آیا تو اس کا صحیح اسلامی ہونا تو ایک طرف، اس میں عوام کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے اتنا کچھ بھی نہیں تھا جتنا آجکل مغرب کی سیکولر حکومتوں کے آئین میں ہوتا ہے۔ اس سے لوگوں میں بددلی اور مایوسی پھیل گئی انھیں یقین ہو گیا کہ ان سے دھوکا کیا گیا ہے۔ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ ان کے لیڈر محض زبان سے اسلام کا نام لیتے رہے ہیں۔ لیکن وہ دل سے صحیح اسلامی نظام کا قیام نہیں چاہتے تھے۔ اس سے قوم کے دل سے لیڈروں کا اعتماد اٹھ گیا۔ قوم پر مایوسی چھا گئی۔ انھوں نے ملک کے اجتماعی مسائل سے دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ مفاد پرست گروہ نے قوم کی اس نفسیاتی کیفیت سے فائدہ اٹھایا اور اپنی من مانی کرنے لگ گئے۔ اس میں قوم کے لیڈر بھی شامل تھے اور بدقسمتی سے حکومت کی مشینری کے کل پرزے (یعنی سرکاری ملازمین بھی) اس سے دن بدن خرابیاں بڑھتی چلی گئیں۔

یہ تھے اس ابتری کے حقیقی اسباب جو ۱۹۵۸ء میں عسکری انقلاب پر منتج ہوئی۔ ان اسباب کی روشنی میں اگلے سوال کا صحیح صحیح جواب سامنے آسکتا ہے۔

سوال ۲۔ آپ کے نزدیک وہ اقدامات کیا ہیں جن سے مذکورہ بالا یا اسی قسم کے دیگر اسباب کے دوبارہ پیدا ہونے کی روک تھام ہو سکے۔

جواب۔ عسکری انقلاب کے بعد پھر ان سابقہ وعدوں کی تجدید کی گئی ہے۔ چنانچہ صدر محترم فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے زمام اقتدار ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی قوم کو واضح الفاظ میں یقین دلایا کہ جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اب اس مقصد کو پورا کیا جائے گا۔ انھوں نے ۱۲ دسمبر ۱۹۵۸ء کو باشندگانِ لاہور کی طرف سے پیش کردہ ایڈریس کے جواب میں کہا۔

> اکتوبر کے انقلاب کا فلسفہ وہی تھا جو تخلیقِ پاکستان کا موجب بنا تھا۔ برسوں کی بدنظمی اور بددیانتی نے اس فلسفہ کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا۔ اور اس تحریک کے اغراض و مقاصد کو داغدار اور زنگ آلود بنا دیا تھا جو تشکیل پاکستان پر منتج ہوئی تھی۔ اب حکومت کے سامنے سب سے اہم کام یہ ہے کہ ان مقاصد و مطامح کو اس دلدل سے نکال کر اس طرح صیقل کر دیا جائے کہ انھیں انکی کھوئی ہوئی چمک دمک اور عزت و عظمت پھر سے نصیب ہو جائے۔

انھوں نے جولائی ۱۹۵۹ء میں مری میں کمشنروں کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

> ہمارے سامنے اس وقت دو اہم مسائل ہیں۔ ایک یہ کہ مشترکہ اسلامی آئیڈیالوجی کے ماتحت لوگوں میں اتحاد پیدا کریں۔ اور اس آئیڈیالوجی کی تشریح و تبیین عصرِ حاضر کی زبان میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق کی جائے۔ اس آئیڈیالوجی کو روحِ اسلام سے کشید کیا جائے اور ہمارا نظامِ جس حد

تک ترقی کر چکا ہے اس کی روشنی میں اس کی تعبیر کی جائے۔ اس وقت اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل فکر و نظر حضرات کو دعوت غور و تدبر دی جائے کہ وہ زندگی کے ان مسائل کا نہایت معقول حل دریافت کریں۔

دوسرا اہم کام یہ ہے کہ ملک کا معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ انسانی دل و دماغ کسی آئیڈیالوجی پر خواہ وہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو کبھی لبیک نہیں کہتا جب تک اسے دو وقت پیٹ بھرنے کا یقین نہ ہو جائے۔ اس لئے اس امر کی بھی اشد ضرورت ہے کہ روٹی کے مسئلہ پر خاص توجہ دی جائے۔

محترم صدر مملکت کے ان بیانات اور اعلانات نے قوم کے دل میں امید کی نئی کرن پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ اب وہ جدید آئین کا انتظار اس یقین کے ساتھ کر رہی ہے کہ حکومت ان وعدوں کو پورا کرے گی جو محترم صدر مملکت نے ان سے کئے ہیں ظاہر ہے کہ اگر یہ آئین اسلامی آئیڈیالوجی کا حامل ہوا اور اس میں عوام کی مشکلات اور پریشانیوں کا حل موجود ہوا تو یہ کامیاب ہوگا۔ ورنہ یہ سابقہ آئین سے بھی زیادہ ناکام رہے گا۔ جہاں تک اسلامی آئیڈیالوجی کا تعلق ہے قائداعظمؒ نے اس کی تشریح (سنہ ۱۹۴۷ء میں) ان الفاظ میں کی تھی کہ

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے اصول و احکام ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے۔ (حیدرآباد دکن میں ایک سوال کا جواب)

قائداعظمؒ کا یہ ارشاد درحقیقت قرآن کریم کی اس آیت کی تشریح ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴)

اور جو قوم خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتی تو یہی لوگ کافر ہیں

قرآن کریم زندگی کے مستقل اصول دیتا ہے جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶/۱۱۶)

اور تیرے رب کی طرف سے عطا کردہ نظریۂ زندگی صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گیا ان نظریات میں کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں۔

قرآن کے انہی اصولوں کے متعلق فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے دسمبر سنہ ۱۹۵۹ء میں ریاک جمہوریہ کے دورے کے سلسلے

ہیں) فرمایا تھا۔

> جہاں تک اسلامی اصولوں کا تعلق ہے، پاکستان کا دستور یقیناً ان کا آئینہ دار ہوگا۔ لیکن اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کے اصول غیر متبدل رہتے ہیں لیکن ان کی جزئیات، تفصیلات اور طریقے حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ان جزئیات کو ہمارے موجودہ حالات کے مطابق مرتب ہونا چاہیئے۔

اسلامی نظام کی صحیح تعبیر یہی ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جس ملک (یا قوم میں) اس قدر مذہبی فرقے ہوں اس میں ایک متفق علیہ اسلامی آئین کس طرح مرتب اور نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ پاکستان میں کئی مذہبی فرقے ہیں اور ان میں باہمی اختلافات بھی ہیں۔ لیکن ان سب میں (بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں میں) ایک چیز بطور قدرِ مشترک موجود ہے اور وہ ہے قرآن کریم۔ پاکستان (ہی کا نہیں بلکہ دنیا) کا کوئی مسلمان بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم زندگی کے غیر متبدل اصول دیتا ہے جو ہر زمانے میں ہماری راہ نمائی کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان اصولوں کو آئینِ پاکستان کی بنیاد قرار دے دیا جائے تو اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں مجوزہ آئینِ پاکستان کی بنیاد اس اصول پر ہونی چاہیئے کہ

> مملکت کا تمام کاروبار قرآن کریم کے متعین کردہ اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے گا۔ یہ اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کی جزئیات میں حسبِ ضرورت تغیر و تبدل ہوتا رہے گا۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور حقیقت کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم کی رو سے مملکت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود بالذات فرد ہے اور مملکت فرد کی انفرادیت کے تحفظ اور اس کی ذات کے نشوونما کا ذریعہ ہے اس مقصد کے لئے مملکت ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے جنہیں انسانوں کے ضمن میں خدا نے اپنے اوپر لے رکھا ہے۔ اس میں رزق کی بہم رسانی سب سے مقدم ذمہ داری ہے (دیکھئے قرآن کریم کی سورۂ ہود آیت ۶ اور سورۂ انعام۔ آیت ۱۵۲)

اس لئے مجوزہ آئینِ پاکستان کی ایک شق یہ ہونی چاہیئے جسے "بنیادی حقوق" کی فہرست میں شامل کیا جائے۔

> مملکت ایسا انتظام کرے گی جس سے ہر فرد کو (اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی) بنیادی ضروریاتِ زندگی (مثلاً روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ علاج وغیرہ) باطمینان ملتی رہیں اور کوئی شخص ان سے محروم نہ رہنے پائے نیز تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کا پورا پورا انتظام ہو۔

ان بنیادی مقاصد کی روشنی میں آئینِ پاکستان مرتب کیا جائے۔

جو آئین قرآن کے ان اصولوں پر پورا نہیں اترے گا وہ یہاں کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ یہ قوم کے تحت الشعور (SENIUS) کا تقاضا ہے جس کی تسکین کسی اور آئین سے نہیں ہو سکتی۔ اصل یہ ہے کہ یہاں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آئینِ پاکستان

قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے یا ان کے خلاف۔ کسی شخص کا مسلمان ہونا ہی اس امر کا اعتراف اور اعلان ہے کہ اس کی زندگی کا نظام قرآن کے مطابق ہونا چاہیئے۔ لہٰذا آئین کمیشن کے لئے یہ سوال فیصلہ طلب نہیں کہ آئین پاکستان کی بنیاد قرآن کریم پر رکھی جائے۔ یا (معاذ اللہ) کسی اور اصول پر۔ ان کا فریضہ صرف یہ بتانا ہے کہ قرآن کریم کے ان اصولوں کو آئینی شکل کیسے دی جائے۔ اگر کمیشن نے اس بنیادی حقیقت کو اپنے سامنے رکھا تو وہ یقیناً ایسا آئین مرتب کر سکیں گے جو سب کے نزدیک قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہو۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے یہ ہر مسلمان کے دل کی آواز اور قوم کے مزاج کا تقاضا ہے۔ اگر یہ آئین اس تقاضا پر پورا نہ اترا تو وہ ناکام رہے گا اور قوم پر ابدی مایوسی چھا جائے گی۔ اور تاریخ کے طالب علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ جب کسی قوم پر اس طرح مایوسی چھا جائے تو اس کے نتائج کس قدر دردناک اور عبرت انگیز ہوا کرتے ہیں۔ اس مقام پر اتنی مزید وضاحت بھی ضروری ہے کہ ایک چیز ہوتی ہے منزلِ مقصود منتہیٰ یا نصب العین، اور دوسری چیز ہوتی ہے اس نصب العین تک پہنچنے کا پروگرام۔ قرآنی اصول مملکتِ اسلامیہ کا نصب العین متعین کرتے ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جس مقام پر ہم اس وقت کھڑے ہیں وہاں سے نصب العین تک پہنچنے کے لئے وقت لگے۔ ہمارے آئین میں اس امر کی تصریح ہونی چاہیئے کہ یہ ہمارا نصب العین ہے اور اس تک یوں بتدریج پہنچا جائے گا۔

آئینی شکل جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کی روشنی میں مجوزہ آئینِ پاکستان کا پہلا باب حسب ذیل شقوں پر مشتمل ہونا چاہیئے۔

(۱) مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوگا۔

(۲) مملکت کوئی ایسا قانون وضع یا نافذ نہیں کرے گی جو قرآنی قوانین کے خلاف ہو۔

(۳) جب کبھی عدالتی کارروائی میں یہ سوال پیدا ہو کہ مملکت کا فلاں قانون۔ قرآنی قانون کے خلاف ہے تو عدالت متعلقہ کا فریضہ ہوگا کہ اُس سوال کو ہائی کورٹ کے فیصلہ کے لئے پیش کرے۔

(۴) اگر ہائی کورٹ کے نوٹس میں یہ بات آئے یا لائی جائے کہ اس قسم کا کوئی سوال کسی عدالت ماتحت میں اٹھایا گیا ہے تو وہ عدالتِ متعلقہ کو حکم دے سکتی ہے کہ اس معاملہ کو ہائیکورٹ کے پاس بغرض فیصلہ بھیج دیا جائے۔

(۵) سپریم کورٹ کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس قسم کے معاملات میں ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف اپیل کی سماعت کرے یا ایسے معاملہ کو از خود اپنے ہاں فیصلہ کے لئے طلب کرلے۔

(۶) سپریم کورٹ کا فیصلہ ہر ایک کے لئے قولِ فیصل ہوگا

(۷) جس قانون یا رواج کے متعلق جس کی حیثیت قانون کی ہو، سپریم کورٹ فیصلہ کر دے کہ وہ قرآنی قانون کے خلاف ہے وہ قانون یا رواج ملک میں قانونی حیثیت نہیں رکھے گا۔

(۸) مملکت اپنی قانونی یا انتظامی پالیسی میں قرآن کے اصولوں سے راہ نمائی حاصل کرے گی۔

(۹) ہر عدالت قوانین کی تعبیر قرآن کے اصولوں کی روشنی میں کرے گی۔

(۱۰) مملکت کا فریضہ ہوگا کہ وہ تمام مروجہ قوانین کو جس قدر جلد ممکن ہو، قرآن کے اصولوں کے مطابق بنائے۔

سوال ۳۔ سابقہ سوالات کے جواب میں جو کچھ آپ نے کہا ہے اس کی روشنی میں (ل) کیا آپ پاکستان میں پارلیمانی نظامِ حکومت کی سفارش کرتے ہیں یا صدارتی نظام کی ــــ اور

(ب) کیا آپ وحدانی نظامِ حکومت کے حق میں ہیں یا فیڈرل انداز کے؟

جواب۔ (ل) قرآن کریم کی رُو سے تشکیل حکومت ملت کا مشترکہ فریضہ ہے جسے وہ باہمی مشاورت سے سرانجام دیتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنے میں سے اس شخص کو جو سب سے زیادہ قوانینِ خداوندی کی حفاظت کرنے والا ہو اپنا سربراہ منتخب کرلیتی ہے (اسے دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں صدر مملکت کہا جائے گا) اسے قوم کا پورا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی بلند سیرت اور حسن کردار قوم میں محنت و دیانت، تعاون اور ایثار کے بلند جذبات پیدا کردیتے ہیں۔ امور مملکت کی سرانجام دہی میں آخری ذمہ داری اس کے سر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں صدر، اور اس کی مجلسِ مشاورت میں تقسیم اختیارات کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اسلامی نظام کا منتہیٰ ہے لیکن بحالاتِ موجودہ، پاکستان میں صدارتی نظام بہتر رہے گا بشرطیکہ پارلیمان اور صدر کے اختیارات کی تقسیم سوال ۵ کے جواب کے مطابق ہو۔

(ب) وحدتِ امت، قرآن کا بنیادی اصول ہے اور وحدانی طرزِ حکومت اس اصول سے قریب تر ہے لہٰذا پاکستان میں وحدانی طرزِ حکومت ہونی چاہیئے۔ عام طور پر وحدانی طرزِ حکومت میں جداگانہ صوبہ جاتی نیابت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن پاکستان کے مخصوص حالات کے ماتحت ذیل کی شرائط ضروری ہیں۔

(i) پارلیمان کے ہر دو ایوانات میں الگ الگ۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کی نیابت برابر برابر ہو۔

(ii) مغربی پاکستان کی وحدت کو برقرار رکھا جائے۔

(iii) ملک میں یا ایوان میں پارٹیاں بنانے کی قطعاً اجازت نہ ہو۔

سوال ۴۔ اگر آپ پارلیمانی طرزِ حکومت کی سفارش کرتے ہیں تو آپ حکومت کے استحکام کے لئے اور اس کے ساتھ پارٹی پالٹیکس کی بنا پر، روزمرہ کے انتظامی امور میں بے جا مداخلت کی موثر روک تھام کے لئے کیا اقدامات تجویز کرتے ہیں۔

جواب۔ سوال ۳ کے جواب کی روشنی میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

سوال ۵۔ چونکہ صدارتی طرزِ حکومت کی صورت میں اختیارات جداگانہ ہونے کے باعث انتظامیہ اور مقننہ ایک دوسرے سے آزاد ہوتی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ مختلف شعبوں میں تعاون کے لئے کوئی طریق وضع کیا

جائے اور اس طرح اس صورتِ حالات کی روک تھام کر دی جائے جس میں حکومت میں تعطل واقع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ صدارتی نظام کے حق میں ہیں تو کیا آپ کے خیال میں امریکی آئین کا نگرانی اور توازن کا نظام ہماری ضروریات کو پورا کریگا۔ بالخصوص جہاں تک مالیات، خارجی تعلقات، وزراء، اور سفراء، نیز انتظامیہ اور فوج کے اعلیٰ افسران کے تقرر کا تعلق ہے (اگر آپ کے خیال میں امریکی آئین کی شقیں ہماری ضروریات کو پورا نہیں کرتیں تو) آپ ان میں کیا ترمیم پیش کرنا چاہتے ہیں؟

جواب۔ ہمارے مخصوص حالات کے ماتحت، حسب ذیل شرائط و تقسیم اختیارات مناسب رہیں گے۔

(i) قانون سازی کے اختیارات پارلیمان کے پاس رہیں اور صدر، انتظامیہ کا ذمہ دار ہو۔ صدر کو قانون سازی کے اختیارات صرف ہنگامی حالات میں حاصل ہوں جن کی شرائط متعلقہ سوال کے جواب میں بیان کی گئی ہیں۔

(ii) پارلیمان ہر مسودہ قانون کو (جسے وہ منظور کرے) بغرض استصواب صدر کے پاس بھیجے۔ اگر صدر اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ کرے تو پارلیمان اس پر دوبارہ غور کرے اور ⅔ کی اکثریت سے جو کچھ منظور کرے اُسے آخری فیصلہ تسلیم کر لیا جائے۔

(iii) صدر کو اپنی مجلسِ مشاورت (کابینہ) کے وزراء کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا لیکن ان کے تقرر کے لئے پارلیمان کے سینٹ (SENATE) کے ایوان کی توثیق (CONFIRMATION) ضروری ہوگی۔ البتہ ان وزراء کو صدر اپنے اختیار سے برطرف کر سکے گا۔

(iv) حسب ذیل عہدوں پر تقرر صدر کرے گا لیکن اس کی توثیق سینٹ کرے گا۔ نیز ان کے برطرف کرنے کے لئے بھی سینٹ کی توثیق کی ضرورت ہوگی۔ سینٹ انھیں از خود بھی کثرت رائے سے الگ کر سکے گا۔

(۱) صوبوں کے گورنر

(۲) سفراء

(۳) بری۔ بحری۔ فضائی فوج کے کمانڈر انچیف

(۴) مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے سکریٹری نیز محکموں کے سربراہ۔

(۵) پبلک سروس کمیشن کے اراکین اور چیئرمین۔

(۶) انتخابی کمیشن۔ انتخابی حلقوں کے کمیشن اور دیگر اسی قسم کے کمیشنوں کے چیئرمین اور صدر۔

سینٹ اس فہرست میں حسب ضرورت اضافہ بھی کر سکے گا۔

صدر، اور مذکورہ بالا عہدے دار اپنے تقرر کے فوری بعد، اپنی املاک اور مقبوضات کی فہرست گزٹ آف پاکستان میں شائع کریں گے۔ اس فہرست کی اشاعت کی تجدید ہر سال ہوتی رہے گی۔

(vi) صدر اور اس کی کابینہ سے متعلق بجٹ پارلیمان منظور کرے۔

(vii) دیگر ممالک سے معاہدات کے لئے ایوانات کے مشترکہ اجلاس کی توثیق ضروری ہوگی۔ ہر معاہدہ ایوانات کی توثیق کے لئے جس قدر جلد ممکن ہوگا پیش کیا جائے گا۔

سوال ۶۔ اگر آپ وحدانی طرزِ حکومت کے حق میں ہیں تو موجودہ انتظامی ہیئت میں جو تبدیلیاں آپ ضروری سمجھتے ہیں ان کی نشان دہی کریں۔

جواب۔ (i) مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں ایک ایک گورنر ہو اور گورنر کی مجلس مشاورت (کابینہ) اس مجلس کے ارکان (وزراء) کے تقرر اور علیحدگی کے لئے وہی طریق اختیار کیا جائے جو صدر کی کابینہ کے سلسلہ میں تجویز کیا گیا ہے۔

(ii) مختلف عہدوں پر تقرر اور برطرفی کے لئے سابقہ سوال کے جواب میں بتایا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں اتنا اضافہ ضروری ہے کہ

(۱) سکریٹریوں اور محکموں کے سربراہوں کی اسامیاں معاہدہ کی رُو سے پُر کی جائیں (یعنی یہ اسامیاں CONTRACT POSTS ہوں) اور یہ معاہدہ چار سال کے لئے کیا جائے۔ اس کے بعد معاہدہ کی تجدید کی جائے۔

(ب) ان اسامیوں پر سول سروس والوں کا تقرر بھی ہو سکے گا۔ لیکن ان کے علاوہ دیگر موزوں اشخاص بھی ان اسامیوں کو پُر کر سکیں گے۔

(ج) جیسا کہ سابقہ سوال کے جواب میں کہا جا چکا ہے۔ ان اسامیوں پر مقرر کردہ اشخاص کو سینٹ کثرت رائے سے الگ بھی کر سکے گا۔

سوال ۷۔ اگر آپ فیڈرل طرزِ حکومت کے حق میں ہیں تو......

جواب۔ سوال ۳ (ب) کے جواب کی روشنی میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔

سوال ۸۔ کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ صدر کو قانون سازی کے اختیارات ہوں۔ اگر آپ اس کے حق میں ہیں تو انہیں کن حالات کے ماتحت استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

جواب۔ عام حالات میں صدر کو قانون سازی کے اختیارات نہیں ہونے چاہئیں لیکن جب پارلیمان ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دے تو پھر صدر ان حدود کے اندر جو پارلیمان متعین کرے قانون مرتب اور نافذ کر سکتا ہے۔

(۲) ملک میں ہنگامی حالات کے اعلان کا فیصلہ پارلیمان کے دونوں ایوانات کے مشترکہ اجلاس میں ہوگا۔

(۳) ہنگامی حالات میں صدر کو تمام امور سے متعلق قوانین سازی کے اختیارات ہوں گے بجز ان امور کے جن کے متعلق پارلیمان کے دونوں ایوانات کا مشترکہ اجلاس فیصلہ کر دے کہ وہ صدر کے ان ہنگامی اختیارات سے باہر رہیں گے۔

(۴) جب پارلیمان کے دونوں ایوانات کا مشترکہ اجلاس اس امر کا اعلان کر دے کہ اب ہنگامی حالات نہیں رہے تو صدر نے ہنگامی حالات میں جو آرڈیننس جاری کئے ہوں گے، وہ ناقذ العمل نہیں رہیں گے۔

(۵) جنگ یا بیرونی خطرہ کی صورت میں صدر مقننہ یا انتظامیہ کے لئے مناسب اقدامات اپنے اختیارات سے کر سکے گا۔ لیکن ان تمام اقدامات کی توثیق پارلیمان کرے گی جس کا اجلاس فوراً طلب کیا جائے گا۔

سوال ۷۔ صدر کا انتخاب کیسے ہو؟ (۱) کیا آپ یہ تجویز کرتے ہیں کہ انتخاب

(۱) بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق ہو یا

(ب) محدود بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق۔ یعنی حق رائے دہندگی خواندگی یا جائیداد کی شرائط سے مشروط ہو۔ یا

(ج) ایک انتخابی ادارے کے ذریعہ ہو۔

(۲) اگر آپ (ب) کے حق میں ہیں تو رائے دہندگی کو کس طرح محدود کریں گے۔

(۳) اگر آپ (ج) کے حق میں ہیں تو کیا آپ اس انتخابی ادارے کے حق میں ہیں جس کے ذریعے صدر کو حال ہی میں منتخب کیا گیا ہے۔ (یعنی بنیادی جمہوریتوں کے حکم مجریہ ۱۹۵۹ء کے تحت لوکل کونسلوں کے منتخب اراکین کی امداد سے) اگر آپ اس امر کے حق میں نہیں تو آپ اور کونسا انتخابی ادارہ تجویز کرتے ہیں۔

جواب۔ صدر کا انتخاب بالغ رائے دہندگی کے اصول پر براہ راست ہو تاکہ ملت کے تمام افراد اپنے میں سے بہترین فرد کے انتخاب کے لئے اظہار رائے کر سکیں۔

صدر کے انتخاب میں جو امیدوار دوسرے نمبر پر آراء حاصل کرے، اسے نائب صدر منتخب کر لیا جائے۔ اس کے اختیارات کے متعلق سوال ۱۰ کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

سوال ۸۔ صدر کے لئے شرائط استعداد، عہدے کی میعاد، علیحدگی وغیرہ کے متعلق سابقہ آئین میں جو کچھ درج تھا کیا آپ اسے اسی طرح رہنے دینا چاہتے ہیں یا ان میں کچھ تبدیلی چاہتے ہیں؟

(۲) اگر آپ صدارتی نظام کے حق میں ہیں تو کیا آپ تجویز کرتے ہیں کہ ایک نائب صدر بھی ہو۔ نائب صدر کا انتخاب کیسے ہو اور اس کے فرائض و اختیارات کیا ہوں؟

جواب۔ صدر (نیز نائب صدر) کے لئے مسلمان اور کم از کم گریجویٹ (یا اس کے برابر تعلیمی سند یافتہ) ہونے کی شرائط ضروری ہیں۔ سپریم کورٹ اس امر کا تعین کرے گی کہ اس مقصد کے لئے کون سی تعلیمی سند گریجوایٹ کے برابر ہے۔ امیدوار کو حق حاصل ہو گا کہ وہ سپریم کورٹ سے اس بات کا فیصلہ کرا لے (جو کچھ سوال ۱۳ کے جواب میں کہا گیا ہے اس کی روشنی میں اس قسم کے تمام عہدوں کے لئے مسلمان ہونے کی شرط بنیادی ہے)۔

صدر کے عہدہ کی میعاد چار سال ہونی چاہیئے۔ مدت عہدے کے دوران، صدر کی علیحدگی کے لئے حسب ذیل طریق اختیار کیا جائے۔

(i) ایوان نمائندگان یا ایوان سینیٹ کے ارکان کی کم ازکم ایک تہائی تعداد، اسپیکر کو اس امر کا نوٹس دے کہ وہ صدر کی علیحدگی کے سوال کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں اس کے لئے ایوان کا اجلاس منعقد کیا جائے۔

(ii) یہ مسئلہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں زیر بحث لایا جائے۔

(iii) اگر مشترکہ ایوان کی ⅔ تعداد صدر کی علیحدگی کے حق میں ہو تو اسے علیحدہ کر دیا جائے اور اس کی جگہ باقیماندہ مدتِ عہدہ کے لئے نائب صدر کو صدر بنا دیا جائے۔

(iv) جب نائب صدر، صدر بن جائے تو دونوں ایوانات مشترکہ اجلاس میں اپنے میں سے کسی کو نائب صدر منتخب کریں۔

(۲) دونوں ایوانات کے اپنے اپنے ڈپٹی اسپیکر ہوں لیکن جب ان کے مشترکہ اجلاس ہوں تو نائب صدر اس میں اسپیکر کے فرائض سر انجام دے۔ اسی طرح مشترکہ اجلاس کے انعقاد کا انتظام بھی نائب صدر کرے۔

سوال ۱۱۔ کیا آپ ایک ایوانی مجلس قانون ساز کے حق میں ہیں یا دو ایوانوں کے حق میں؟ اراکین کی تعداد کیا ہونی چاہیئے۔ اور آپ اس کا تعین کس طرح کریں گے؟

جواب۔ دو ایوان ہونے چاہئیں۔ ایک ایوانِ عام نمائندگان کا اور دوسرا قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین کے نمائندگان کا۔ اول الذکر کو ایوانِ نمائندگان اور ثانی الذکر کو سینیٹ (SENATE) کی اصطلاح سے تعبیر کیا جائے۔ واضح رہے کہ یہ تقسیم محض مختلف قسم کی صلاحیتوں کی نمائندگی کی غرض سے ہے۔ قوم میں طبقاتی تفریق کی بنا پر نہیں۔ اس اعتبار سے ساری کی ساری ملت ایک "وحدت" تصور کی جائے گی۔

(۲) ہر ایوان میں ایک سو اٹھانوے اراکین ہوں۔ نصف مشرقی پاکستان اور نصف مغربی پاکستان سے۔

سوال ۱۲۔ مجلس قانون ساز کے اراکین کا انتخاب کس طرح ہونا چاہیئے؟ کیا آپ تجویز کرتے ہیں کہ

(ا) انتخاب بالغ رائے دہندگی کے اصول پر ہو یا

(ب) محدود بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق جس میں خواندگی یا جائداد وغیرہ کی شرائط ہوں۔ یا

(ج) انتخابی ادارے کے ذریعے۔

(۲) اگر آپ (ب) کے حق میں ہیں تو حق رائے دہندگی کو کس طرح محدود کریں گے؟

(۳) اگر آپ (ج) کو ترجیح دیتے ہیں تو کیا آپ اس کے لئے وہی انتخابی ادارہ تجویز کرتے ہیں جس نے حال ہی میں صدر کو منتخب کیا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو آپ کس دوسرے انتخابی ادارے کی تجویز کرتے ہیں؟

جواب۔ (۱) ایوانِ نمائندگان کے لئے بالغ رائے دہندگی کے اصول کے مطابق انتخاب ہو۔ (طریق انتخاب کے متعلق سوالات ۲۹ تا ۳۲ کے جوابات ملاحظہ فرمایئے)

(۲) ایوانِ ماہرین (سینیٹ) کے لئے انتخاب۔ انتخابی اداروں کے ذریعے ہو۔ مثلاً یونیورسٹی کا حلقہ۔ رجسٹرڈ میڈیکل ایسوسی ایشنز۔ انجینئرز کی رجسٹرڈ ایسوسی ایشنز۔ بار ایسوسی ایشنز۔ صحافیوں کے ادارے۔ رجسٹرڈ ٹریڈ یونینز۔ چیمبرز آف کامرس وغیرہ

سوال ۴۲۔ سابق آئین میں اس کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ انتخابات مخلوط اصول رائے دہندگی کے مطابق ہوں یا جداگانہ اصول کے مطابق۔ آئین نے اس کا فیصلہ پارلیمان پر چھوڑ دیا تھا۔ آخر الامر اس کا فیصلہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کی قراردادوں کی رُو سے ہوا۔ اس فیصلہ کی رُو سے مخلوط انتخاب کا اصول اختیار کیا گیا تھا۔

کیا آپ اس فیصلہ کے حق میں ہیں یا اس میں کوئی تبدیلی چاہتے ہیں؟

جواب۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے دسمبر ۱۹۵۸ء میں فرمایا تھا کہ

> اکتوبر کے انقلاب کا فلسفہ وہی تھا جو پاکستان کی تخلیق کا موجب بنا۔

پھر دسمبر ۱۹۵۹ء میں انھوں نے گجرات میں کہا تھا کہ

> پاکستان ایک آئیڈیالوجی کی بنا پر وجود میں آیا ہے۔ اور وہ آئیڈیالوجی اسلام ہے۔ اس لئے اس میں شبہ کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئیڈیالوجی کا آئینہ دار ہوگا

پاکستان کی تخلیق کا موجب یہ آئیڈیالوجی تھی کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلم اور غیر مسلم محض اشتراکِ وطن کی بنا پر ایک قوم نہیں بن سکتے۔ یعنی اسلام کی رُو سے قومیت کا مدار اشتراکِ دین پر ہے۔ ہم وطنی کی بنا پر نہیں۔ اسی نظریۂ قومیت کو علامہ اقبالؒ نے، پاکستان کا تصور دیتے وقت (۱۹۳۰ء میں) پیش کیا تھا بلکہ اس سے بھی بہت پہلے جب انھوں نے کہا تھا کہ ع

بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

علامہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری دنوں میں مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) نے یہ اعلان کیا تھا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔" حضرت علامہ نے اسے دورِ جاہلیت کی آواز سے تعبیر کیا اور بڑی شدومد سے اس کا جواب لکھا۔ ان پر اس بات کا اثر اس قدر شدید تھا کہ یہی کرب و اضطراب ان کی قبل از وقت موت کا باعث بن گیا۔

اسی آئیڈیالوجی کو قائد اعظمؒ بار بار دہراتے رہے۔ چنانچہ انھوں نے مسلم لیگ کے مدراس کے سیشن میں (۱۹۴۱ء میں) فرمایا تھا کہ

مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں۔

انھوں نے مارچ ۱۹۴۴ء میں علی گڑھ کی ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا کہ

ہندو اور مسلمان، خواہ ایک گاؤں یا شہر میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں، وہ کبھی ایک قوم نہیں بن سکتے۔

پاکستان اسی آئیڈیالوجی کے مطابق وجود میں آیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے کیا خوب کہا ہے کہ

پاکستان محض ایک خطۂ زمین کا نام نہیں جس میں آٹھ کروڑ نفوس بستے ہوں۔ پاکستان سے ہماری مراد ایک ایسی ملت ہے جو مخصوص اخلاقی اور روحانی اقدار کی امین ہے۔ یہ اقدار اسلام پر مبنی ہیں۔　　　　(راولپنڈی کی تقریر ۱۸ مارچ ۱۹۵۹ء)

لہٰذا اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اسلامی آئیڈیالوجی کی رو سے جس کے مطابق پاکستان وجود میں آیا ہے، پاکستان کے مسلم و غیر مسلم ایک قوم کے افراد نہیں۔ اس لئے اصولی طور پر یہاں مخلوط یا جداگانہ انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ مملکت قرآنی نظامِ زندگی کو عملاً متشکل کرنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ اس لئے اس مملکت کا کاروبار انہی لوگوں کے ہاتھ سے سرانجام پائے گا جو اس نظامِ زندگی کو اپنا ایمان سمجھتے ہوں۔ دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔ اس لئے کہ جو مملکت ایک مخصوص آئیڈیالوجی کو بروئے کار لانے کے لئے وجود میں آئی ہو اس کے کاروبار میں وہ لوگ کس طرح شریک کئے جا سکتے ہیں جو اس آئیڈیالوجی پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ قرآن کریم کے احکام اس باب میں بالکل واضح ہیں (ملاحظہ ہوں آیات ۱۴۴/۴، ۳۵/۳۹، ۳/۱۱۸-۱۱۹، ۳/۲۷، ۶۰/۱-۲، ۹/۲۳-۲۴[۱])

اس اصول کو آئین کی تمام متعلقہ شقوں میں پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

اگر کسی خاص مقصد کے لئے غیر مسلم باشندگانِ پاکستان کے انتخاب کا سوال درپیش ہو تو اس وقت امیدوار بھی غیر مسلم ہوں گے اور رائے دہندگان بھی غیر مسلم۔ اس وقت ان میں مسلمان شریک نہیں ہو سکیں گے۔

غیر مسلموں کو مسلم قوم کا جزو قرار نہ دینے سے مطلب یہ نہیں کہ ان سے عدل و احسان کا برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔ انھیں انسانیت کے بنیادی حقوق حاصل ہوں گے۔ انھیں شخصی مذہب، پرستش اور عقیدہ کی آزادی ہوگی۔ ان کے معابد کا تحفظ ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اگر غیر مسلم کسی ایسی مملکت کی طرف مستقل طور پر منتقل ہونا چاہیں جو انھیں اپنے ہاں بسانے پر آمادہ ہو تو مملکتِ پاکستانیہ ایسا انتظام کرے گی جس سے وہ وہاں بحفاظت منتقل ہو جائیں۔

---

[۱] ان حوالوں میں اوپر سورت کا نمبر ہے اور نیچے آیت کا۔

سوال ۱۴: مجلس قانون سازی کی رکنیت کے لئے کیا شرائط ہونی چاہئیں۔ اگر آپ دو ایوانی طرز کے حق میں ہیں تو ایوانِ بالا کی ہیئت ترکیبی کیا ہونی چاہیئے۔ کیا

(ا) آپ اس کے لئے یہ تجویز کریں گے کہ اراکین کا انتخاب قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں خصوصی استعداد کی بنا پر ہو اور اس کے ساتھ علم و تجربہ رکھنے والے ممتاز افراد کے لئے جگہ پیدا کرنے کے لئے نامزدگی بھی ہو۔ یا

(ب) یا یہ ایوان بھی ایوانِ زیریں کی طرح تمام کا تمام انتخاب کے ذریعے مرتب ہو۔ اور اس کے اراکین کی شرائط استعداد ایوانِ زیریں کی شرائطِ استعداد سے زیادہ ہوں۔

جواب۔ دونوں ایوانوں کے لئے امیدواروں کے میٹرک پاس ہونے کی تعلیمی شرط ضروری ہے۔ سینیٹ کے امیدواروں کے سلسلے میں (سوال ۱۲ کے جواب میں) بتایا جا چکا ہے کہ وہ قومی زندگی کے مختلف مختص اداروں کے حلقوں سے منتخب ہوں گے۔ نامزدگی نہیں ہوگی۔

سوال ۱۵: آپ کی رائے میں

(ا) دونوں ایوانوں کے متعلقہ اختیارات اور ان کی مدت

(ب) ان کے باہمی تعلقات اور

(ج) صدر کے ساتھ ان کے تعلقات

کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے؟

جواب۔ (ا) جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے دونوں ایوانوں میں ارکان کی تعداد یکساں ہوگی اور مشرقی اور مغربی پاکستان کی نیابت بھی یکساں۔ جہاں تک میعاد کا تعلق ہے پہلے انتخاب کے بعد ہر سال اراکین کے ایک تہائی حصہ کا انتخاب از سرِ نو ہو۔ اس طرح ہر تین سال کے بعد پورے کا پورا ایوان از سرِ نو منتخب ہو جائے گا۔

(ب) جہاں تک اختیارات کا تعلق ہے

(ا) ہر ایوان اپنی اپنی جگہ جس معاملہ کو چاہے قانون سازی کے لئے زیرِ بحث لائے۔ لیکن مالیات سے متعلق قانون سازی کا آغاز صرف ایوان نمائندگان میں ہوگا۔

(ج) جب ایک ایوان کوئی مسودہ قانون پاس کرے تو اسے دوسرے ایوان کے پاس بھیجدے۔ اگر وہ ایوان اس سے متفق ہو تو فبہا، ورنہ وہ مسودہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں پیش ہو۔ جب وہاں کی اکثریت اسے منظور کرے تو پھر اسے الگ ایوان میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(د) جب کسی مسودۂ قانون کو ایوانوں کی منظوری حاصل ہو جائے تو وہ صاحب صدر کے پاس بغرض تصویب بھیجا جائے۔ اگر صدر اس میں کوئی تغیر و تبدل تجویز کرے تو اسے پھر متعلقہ ایوان میں پیش کر دیا جائے۔ اگر اس دفعہ ایوان کی

ب۲ اکثریت سے منظور کرے تو اسے منظور شدہ تصور کیا جائے۔

(س) جن اسامیوں پر تقرر یا علیحدگی کے لئے سینٹ کی توثیق کی ضرورت ہوگی اس کا ذکر سوال ع۵ کے جواب میں کیا جا چکا ہے۔

(ص) دونوں ایوانوں کے الگ الگ ڈپٹی اسپیکر ہوں گے جنہیں متعلقہ ایوان خود منتخب کرے گا لیکن جب دونوں کا اجلاس مشترک ہو تو نائب صدر، اسپیکر کے فرائض سرانجام دے۔

(ط) کسی ایوان میں پارٹی کوئی نہیں ہوگی۔ آراء آزاد ہوں گی۔

(۲) ایوانات کے اجلاس بلانے کے اختیارات۔

(ا) صدر مملکت کو دونوں ایوانات کے الگ الگ یا دونوں کے مشترکہ اجلاس طلب کرنے کا اختیار ہوگا۔

(ii) نائب صدر، بحیثیت اسپیکر، دونوں ایوانوں کے الگ الگ یا مشترکہ اجلاس طلب کرسکیگا۔

(iii) ڈپٹی اسپیکر اپنے متعلقہ ایوان کا اجلاس طلب کرسکے گا۔

(iv) ہر ایوان کے ارکان کی ایک تہائی تعداد اپنے ڈپٹی اسپیکر کو نوٹس دے کر اجلاس طلب کرسکتی ہے اور اسپیکر کو نوٹس دے کر مشترکہ اجلاس طلب کرسکتی ہے۔

(۳) صدر کو یا کسی اور کو ایوان کو ختم کردینے کا حق نہیں ہوگا۔

سوالات ع۱۶، ع۱۷، ع۱۸ کا تعلق فیڈرل طرزِ حکومت سے ہے اور چونکہ اس طرزِ حکومت کی سفارش نہیں کی گئی اس لئے یہ سوالات پیدا نہیں ہوتے۔

سوال ع۱۹۔ کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ گورنر کو بھی قانون سازی کے اختیارات ہوں۔ اگر ایسا ہے تو وہ کن حالات کے ماتحت اس اختیار کو عمل میں لاسکتا ہے۔

جواب۔ چونکہ حکومت کا طرز وحدانی ہوگا اس لئے گورنر کے لئے قانون سازی کے اختیارات کا سوال پیدا نہیں ہوتا

سوال ع۲۰۔ سابق آئین کی دفعہ ع۷ میں گورنر کے لئے شرائط استعفیٰ کے طریق کار، عہدہ کی مدت وغیرہ سے متعلق دفعات موجود تھیں۔ کیا آپ مذکورہ دفعات کو اختیار کریں گے یا ان میں کوئی تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں۔

جواب۔ چونکہ اندازِ حکومت وحدانی ہوگا اس لئے گورنر کی حیثیت اجرائیہ کے ایک رکن سے زیادہ نہیں ہوگی۔ گورنر کا تقرر، صدر کے انتخاب اور سینٹ کی توثیق سے چار سال کے لئے ہوگا۔ اس مدت کے دوران اس کی علیحدگی کے لئے بھی سینٹ کی توثیق کی ضرورت ہوگی۔ نیز سینٹ اسے از خود بھی علیحدہ کرسکے گا۔ (دیکھئے سوال ع۵ کا جواب)

سوال ع۲۱۔ سابق آئین میں گورنر کو جو تحفظ دیا گیا تھا کیا آپ اس تحفظ کے حق میں ہیں۔ اگر طرزِ حکومت وحدانی ہو تو کیا آپ پھر بھی تحفظ دیں گے؟

جواب۔ اس تحفظ کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک صدر کا تعلق ہے اس پر مملکت کے کاروبار کے سلسلہ میں کسی دیوانی یا فوجداری عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔ البتہ اس کے کردار کو سینٹ میں زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے سینٹ کو وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو ہائی کورٹ کو ہوتے ہیں۔ بجز اس کے کہ اگر صدر کو کوئی سزا دی جانی مطلوب ہو تو دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کی منظوری سے دی جائے۔

(صدر کی علیحدگی کے سلسلے میں طریق کار کے متعلق سوال ۱۵ کا جواب دیکھیے)

سوال ۲۲۔ کیا آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ نئے آئین میں "بنیادی حقوق انسانی" اسی طرح شامل کئے جائیں جس طرح سابق آئین میں کئے گئے تھے۔ یا آپ کے خیال میں برطانیہ کی طرح، اس قسم کے حقوق کی ضمانت کو مجالس قانون سازی کی بنیادی نیک نیتی پر اور عدالتوں کے ذریعے مسلمہ اصولوں کی دانش (طرازی) اور تجربہ پر چھوڑ دیا جائے۔

جواب۔ مملکت کے آئین میں حقوق انسانیت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آئین میں ان حقوق کی فہرست دی جائے۔ قرآن کریم نے یہ حقوق مستقل (یا اضافی) اقدار کی حیثیت سے دیئے ہیں ان اقدار کی فہرست کمیشن کو بعد میں بھیجی جائیگی۔ سابق آئین میں بنیادی حقوق کی جو فہرست دی گئی تھی اسے مناسب ترمیم و اضافہ کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس فہرست کی زبان کچھ فنی سی ہے لیکن چونکہ آئین کا انداز اسی کا متقاضی ہے اس لئے ہم نے اسے نہیں بدلا۔ اس سلسلہ میں [illegible] کے جوابات بھی دیکھئے

(۱) ہر شخص کو قانون کی حفاظت یکساں طور پر حاصل ہوگی۔

تشریح۔ ان حقوق کے سلسلے میں "قانون" سے کیا مراد ہے اس کے لئے سوال ۱۱ کا جواب دیکھیے۔

(۲) کوئی شخص بلا قانون، زندگی۔ آزادی اور املاک سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(۳) جب کوئی عامل حکومت یا عدالت اس قسم کا حکم نافذ کرے جو کسی شخص کے ان بنیادی حقوق کے خلاف جاتا ہو جو اسے آئین کی رو سے حاصل ہیں تو اس شخص کو ان وجوہات سے مطلع کیا جائے گا جن کی بنا پر وہ حکم نافذ کیا گیا ہے۔

(۴) کسی شخص کو کسی ایسے فعل کے ارتکاب پر سزا نہیں دی جائے گی جو ارتکاب کے وقت از روئے قانون مستوجب سزا نہیں تھا۔ نہ ہی کسی شخص کو کسی جرم کی پاداش میں، اس سزا سے زیادہ سزا دی جائے گی جو اس جرم کے لئے اس قانون کی رو سے متعین تھی جو اس فعل کے ارتکاب کے وقت نافذ العمل تھا۔

(۵) (۱) جس شخص کو آزادی یا املاک سے محروم کیا جائے تو ایسا کرتے وقت اسے بتایا جائے گا کہ وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ایسا کیا جا رہا ہے۔ اس شخص کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی پسند کے قانونی مشیر سے مشورہ

کرے یا اسے اپنی مدافعت کے لئے مقرر کرے۔

(ب) جس شخص کو گرفتار کیا جائے یا زیر حراست رکھا جائے تو اسے چوبیس گھنٹے کے اندر (جس میں عدالت تک سفر کا وقت شامل نہیں ہوگا) قریب ترین مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد اسے مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر زیر حراست نہیں رکھا جائے گا۔

(ج) شق (ب) میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا اطلاق حسب ذیل اشخاص پر نہیں ہوگا۔

(۱) جو شخص اس وقت (ملک کا) دشمن یا دشمنوں کا طرفدار ہو۔

(۲) جس شخص کو کسی ایسے قانون کے ماتحت زیر حراست رکھا گیا ہو جو حفاظتی حراست (PREVENTIVE DETENTION) کے طور پر نافذ العمل ہو۔

(۳) کسی شخص کو "حفاظتی حراست" سے متعلق قوانین کے ماتحت تین ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے زیر حراست نہیں رکھا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ مشاورتی بورڈ جو اس مقصد کے لئے متعین کیا گیا ہو، تین ماہ کے عرصے کے اندر اندر اس امر کی رپورٹ کر دے کہ اس کے خیال میں اس حراست کے لئے کافی وجوہات موجود ہیں۔

تشریح:- اس مقصد کے لئے "مشاورتی بورڈ" سے مراد ایسا بورڈ ہے جو ان اشخاص پر مشتمل ہو جنہیں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے مقرر کیا ہو۔

(۴) جب کسی شخص کو "حفاظتی حراست" سے متعلق قانون کے ماتحت زیر حراست رکھا جائے تو ایسا حکم صادر کرنے والی اتھارٹی کے لئے ضروری ہوگا کہ اس شخص کو ان وجوہات سے مطلع کرے جن کی بنا پر اسے زیر حراست رکھا گیا ہے اور اسے جلد از جلد ایسی سہولتیں بہم پہنچائے جن سے وہ اس حکم کے خلاف چارہ جوئی کر سکے۔

اگر وہ اتھارٹی یہ سمجھے کہ اس سلسلہ میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کا انکشاف مفاد عامہ کے خلاف جائے گا تو وہ ان کے انکشاف سے انکار کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ان وجوہات کو تحریری طور پر ریکارڈ کرے۔

(۸) ہر شخص کو تقریر اور اظہار خیالات کی آزادی ہوگی۔ لیکن اس باب میں قانون کی رُو سے ایسی پابندیاں عاید کی جا سکتی ہیں جو ذیل کے مقاصد کے پیش نظر ضروری خیال کی جائیں۔

(۱) مملکت پاکستان کے تحفظ کے لئے

(۲) دیگر مملکتوں سے دوستانہ تعلقات کے سلسلہ میں۔

(۳) عوام کے نظم و ضبط کے لئے

(۴) شائستگی اور حسن اخلاق کے لئے۔

(۷) توہینِ عدالت کے سلسلہ میں۔

(۸) ارتکاب جرم کے لئے مشتعل کرنے سے روک تھام کے سلسلہ میں۔

(۹) تمام شہریوں کو پُرامن طریق سے بغیر ہتھیاروں کے بغیر کسی جگہ جمع ہونے کا حق حاصل ہوگا۔ اس سلسلہ میں بھی، مفادِ عامہ کی خاطر از روئے قانون مناسب پابندیاں عاید کی جاسکتی ہیں۔

(۱۰) تمام شہریوں کو ایسوسی ایشنز یا یونینز بنانے کا حق حاصل ہوگا۔ اس سلسلہ میں بھی از روئے قانون حسنِ اخلاق اور نظم و ضبطِ عوام کے پیشِ نظر مناسب پابندیاں عاید کی جاسکتی ہیں۔

(۱۱) ان حدود کے اندر رہتے ہوئے جو از روئے قانون مفادِ عامہ کے پیشِ نظر عاید کی جائیں، ہر شخص کو حق حاصل ہوگا کہ

(i) وہ پاکستان میں جہاں چاہے آزادانہ آجاسکے اور جہاں چاہے آباد ہوجائے۔

(ii) املاک (PROPERTY) حاصل کرسکے۔ اسے اپنی تحویل میں رکھ سکے یا اس میں تصرف کرسکے (نیز دیکھئے شق ۲۷)

(۱۲) ہر وہ شخص جو ان شرائط کو پورا کرتا ہے جو از روئے قانون عاید کی جائیں، اس کا حق رکھے گا کہ وہ کسی پیشہ یا حرفہ کو اختیار کرلے جو از روئے قانون جائز ہو۔ یا اس قسم کی تجارت یا کاروبار کو اختیار کرے۔

واضح رہے کہ حکومت کو اس کا حق حاصل ہوگا کہ وہ

(i) لائسنس کے قاعدے کی رُو سے کسی تجارت یا کاروبار پر پابندیاں عائد کرے۔ یا

(ب) حکومت اس کاروبار یا تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور دیگر اشخاص کو اس کی اجازت نہ دے یا کسی حد تک اجازت دے۔

(۱۳) (i) کوئی شخص اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ کسی تعلیم گاہ میں ایسی تعلیم حاصل کرے۔ یا کسی ایسی تقریب یا پرستش میں شریک ہو، جو اس شخص کے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب سے متعلق ہو۔

(ii) اگر کوئی مذہبی جماعت چاہے کہ وہ ایسی تعلیم گاہ میں جس کی کلیتہً کفالت اس جماعت کے ذمہ ہو، اپنے ہم مذہب طلبار کو اپنے مذہب کی تعلیم دے تو اسے اس کا حق حاصل ہوگا۔

(iii) ایسے تعلیمی اداروں میں جو حکومت سے امداد لیتے ہوں کسی شخص کو محض نسل۔ مذہب۔ ذات یا جائے پیدائش کی بناء پر داخلہ کی ممانعت نہیں ہوگی۔

واضح رہے کہ اس باب میں حکومت کو حق حاصل ہوگا کہ جو لوگ، معاشرتی یا تعلیمی میدان میں پیچھے رہ گئے ہوں، ان کی کمی پوری کرنے کے لئے خاص اہتمام کرے۔

(iv) مذہبی اداروں کو کسی ٹیکس سے مستثنےٰ قرار دینے یا اس میں رعایت دینے کے معاملہ میں کسی جماعت کے خلاف

امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔

(۷) ہر مذہبی جماعت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی درسگاہیں قائم کرے کسی ایسی درسگاہ کو مملکت محض اس بنا پر تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرے گی کہ اس کا انتظام اُس خاص جماعت کے ہاتھ میں کیوں ہے۔

(۱۴) (۱)۔ عام تفریح گاہوں میں (بشرطیکہ وہ مذہبی مقاصد کے لئے نہ بنائی گئی ہوں) ہر شخص کو داخلہ کا حق حاصل ہوگا۔ نسل، مذہب، ذات، جنس یا جائے پیدائش کی بنا پر کسی کے خلاف امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔

لیکن حکومت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ عند الضرورت، عورتوں کے لئے اس باب میں ضروری استثناء کرے۔

(۱۵) (۱) کسی شخص کو املاک سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ بجز قانون کی رُو سے۔

(۲) کسی شخص سے اس کی املاک زبردستی نہیں چھینی جائے گی نہ اس پر زبردستی قبضہ کیا جائے گا۔ ہاں مگر عوام کے فائدے کی خاطر ایسا کیا جاسکے گا۔ اور ایسا کرنے کی مجاز وہ اتھارٹی ہوگی جسے اس مقصد کے لئے قانون مقرر کرے۔ اس قانون کی رُو سے اس امر کا فیصلہ بھی کیا جائے گا کہ اس کا معاوضہ دیا جائے اور اگر دیا جائے تو کس قدر اور کس شکل میں۔

(۳) یہ شق حسب ذیل امور پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

(۱) ایسا قانون جس کی رُو سے مملکت ہر اس جائداد کو زبردستی لے سکتی ہے یا اس پر قبضہ کرسکتی ہے جو عوام کی جان، مال یا صحت کے لئے ضرر رساں ہو۔

(ب) ایسا قانون جس کی رُو سے مملکت ایک معین عرصے کے لئے کسی جائداد کا انتظام اس مقصد کے لئے اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہے کہ اس سے اس جائداد کے مالک کے مفاد کا تحفظ ہو جائے۔

(۴) اس شق میں "جائداد" یا "املاک" سے مراد ہر قسم کی غیر منقولہ جائداد یا کاروباری اور صنعتی ادارہ یا اس قسم کے اداروں میں حصہ داری ہے۔ (نیز دیکھئے شق ۱۲)

(۱۶) (۱) کسی شخص کو کسی کا غلام نہیں بنایا جاسکے گا

(۲) ہر قسم کی بیگار (زبردستی کام لینے) کی ممانعت ہوگی۔ لیکن مفادِ عامہ کے لئے ضرورت پڑے تو مملکت اب قانون بنا سکتی ہے۔

(۱۷) مملکت کے تابع ملازمتوں کے سلسلہ میں کسی شخص پر، جو کسی ملازمت کے لئے استعداد وغیرہ کی شرائط پوری کرتا ہو محض نسل، ذات، جنس یا جائے سکونت و پیدائش کی بنا پر داخلہ کا دروازہ بند نہیں کیا جائے گا۔

(۱۸) ہر شخص کو حق حاصل ہوگا کہ وہ قانون، نظم و ضبط عامہ اور اخلاقیات کی حدود کی پابندی کرتے ہوئے

(۱) جونسا مذہب جی چاہے اختیار کرے۔ اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے

(۲) ہر مذہبی جماعت اپنے اپنے مذہبی ادارے قائم کرے۔

(۱۹) چھوت چھات کو ختم کردیا جائے۔ اس کی کسی شکل میں عمل کرنا از روئے قانون جرم قرار دیا جائے گا۔

(۲۰) (i) جن حقوق کی تصریح اوپر کی گئی ہے۔ اگر مملکت ان میں سے کسی حق کو پورا نہ کرے یا اس کے خلاف کرے تو ہر شخص کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کے لئے سپریم کورٹ کی طرف رجوع کرے۔

(ii) سپریم کورٹ کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسے معاملات میں متعلقہ فرد، اتھارٹی، حکومت وغیرہ کے نام ان حقوق کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہدایات یا احکام صادر کرے۔ (ان میں امتناعی احکام بھی شامل ہیں)

(۲۱) ہر شخص کو رزق (سامانِ زیست) مکان، تعلیم اور اس کی قابلیت، عزتِ نفس اور محنت کے مطابق کام کرنے کے مواقع، کا حق حاصل ہوگا۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مملکت کو شق ۱ و ۵ کے علی الرغم، جائداد یا املاک حاصل کرلینے یا ٹیکس عاید کرنے کے قوانین بنانے کا اختیار ہوگا۔

مجلس قانون ساز کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو اس شق کے ماتحت دیئے ہوئے حقوق کو قانوناً نافذ کرنے کے اقدامات کرے۔

سوال ۲۳۔ کیا آپ مستقبل کی مجالس قانون ساز اور حکومت کے لئے تمہید اور اصول ہدایات جو سابق آئین میں تھے، نئے آئین میں بدستور رکھنا چاہتے ہیں؟

جواب۔ آئین کے شروع میں مختصر سی تمہید دی جاسکتی ہے۔ یہ تمہید حسبِ ذیل خطوط پر ہونی چاہیئے۔

(i) مملکت پاکستان اس مقصد کے لئے وجود میں آئی ہے کہ یہ اس خطۂ زمین میں قرآن کریم کے غیر متبدل اصولوں کے مطابق نظام قائم کرے تاکہ افرادِ مملکت کی طبعی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں اور ان کی ذات کی نشوونما ہوتی چلی جائے اور اس طرح وہ اس قابل ہوسکیں کہ دنیا میں امن قائم کریں اور نوعِ انسانی کی بہبود اور نشوونما کا ذریعہ بن سکیں۔ مملکت پاکستان، ایسے اقدامات کرے گی جس سے اس نصب العین تک بتدریج پہنچا جاسکے۔

(ii) قرآن کریم کے پیشِ نظر عالمگیر انسانی برادری کی تشکیل ہے جو نسل، رنگ، زبان یا جغرافیائی حدود کے امتیازات سے بلند ہوکر خالص انسانیت کی بنیادوں پر قائم ہو۔ یہ مقصد ان مستقل اقدار کے تحفظ اور ترویج سے حاصل ہوسکے گا جن کا تعین قرآن کریم نے کیا ہے۔ اور جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کرسکتا۔

مملکت پاکستان کو ان اقدار کی تجربہ گاہ بنایا جائے گا۔ اور اس کے ثمری نتائج نوعِ انسانی کی منفعت کے لئے کھلے رکھے جائیں گے۔ تاکہ دیگر اقوام و ممالک بھی انھیں اپنے ہاں آزمائیں۔ اور اس طرح نوعِ انسانی کی عالمگیر برادری کی تشکیل میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

(۲) اصول ہدایت آئین کا جزو ہونے چاہئیں۔ انھیں مختلف سوالوں کے جواب میں شامل کردیا گیا ہے۔

سوال ۲۴۔ سابق آئین میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے دائرۂ اختیارات اور ان کے ججوں کی

شرائط استعداد۔ تقرر اور برطرفی سے متعلق جو دفعات تھیں، کیا آپ انہی دفعات کے اختیار کئے جانے کے حق میں ہیں یا کوئی تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں؟

جواب۔ سوال ۱ کے جواب میں جو "باب اول" تجویز کیا گیا ہے، اس کے حدود کے ماتحت، نیز ان تبدیلیوں کی روشنی میں جو طرز حکومت کے سلسلہ میں تجویز کی گئی ہیں سابق آئین کی دفعات رکھ لی جائیں۔ البتہ سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد کا تعین آئین میں کر دیا جائے۔

(۲) اگر مقننہ اور انتظامیہ کے حدود و اختیارات کے مسئلہ میں کسی بات پر اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ کرے گی۔ (۳) انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ کر دیا جائے۔

سوال ۲۵۔ کیا آپ اٹارنی جنرل اور ایڈووکیٹ جنرل سے متعلق سابق آئین کی دفعات کو برقرار رکھنے کے حامی ہیں۔ کیا آپ اس سلسلہ میں کوئی تجویز پیش کرنا چاہتے ہیں، یا آپ انہی دفعات کو اختیار کریں گے۔

جواب۔ وہی دفعات مناسب ہیں۔

سوال ۲۶۔ سرکاری ملازمین کی شرائط ملازمت۔ میعاد۔ عہدہ۔ تقرر اور نظم وضبط وغیرہ سے متعلق سابق آئین میں جو دفعات تھیں۔ کیا آپ انھیں مناسب سمجھتے ہیں یا ان میں ترمیم کرنا پسند کریں گے۔ اگر آپ ترمیم چاہتے ہیں تو مطلوبہ تبدیلیوں کی نشان دہی کیجئے۔

جواب۔ سابق آئین کی دفعات کو حسب ذیل ترمیمات یا اضافوں کے ساتھ اختیار کر لیا جائے۔

(i) ہر سرکاری ملازم اپنے فرائض کی سرانجام دہی کے معاوضے میں تنخواہ اور قاعدے کے مطابق رخصت کا حقدار ہو گا۔ اور بنیادی حقوق کی طرح اس حق کے پورا کرنے کے لئے سپریم کورٹ کی طرف رجوع کر سکیگا۔

ملازمین کی تنخواہ مقرر کرتے وقت اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ ان کی اور ان کے بیوی بچوں کی بنیادی ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔

(ii) حکومت کے ملازمین کے تقرر کی موزونیت کے سلسلہ میں حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

(الف) قرآن کے اصولوں کا علم

(ب) پاکیزہ اخلاقی زندگی بسر کرنے کی شہرت

(ج) متعلقہ اسامی کے فرائض کی ادائیگی کے لئے ضروری استعداد

(iii) تمام ملازمین لوگوں میں اس قسم کی زندگی بسر کرینگے کہ ان کا قول اور فعل قرآنی احکام کے خلاف نہ جائے۔

(iv) اگر کسی ملازم کا کردار التزاماً مذکورہ بالا شرائط کے خلاف ہو تو متعلقہ اتھارٹی (AUTHORITY) اس ملازم کو ملازمت سے برطرف کر سکتی ہے۔

(v) ہر سول کا ملازم محکمانہ سزا کے خلاف اس ٹریبونل کے پاس اپیل کا حق رکھیگا جو اس مقصد کے لئے قائم کیا جائے گا۔ اس ٹریبونل میں سول سروس کے حکام اعلیٰ اور ہائیکورٹ کے ججوں کی تعداد برابر برابر ہو گی جج اس کا چیرمین ہوگا۔

(vi) اس قسم کی اپیل کے سلسلے میں یہ ٹریبونل سزا دینے والی اتھارٹی سے رپورٹ طلب کرے گا اور متعلقہ کاغذات منگوائے گا۔

(vii) متعلقہ ملازم کی درخواست پر یا از خود ٹریبونل فریقین کو یا گواہوں کو اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم دے سکے گا۔ ٹریبونل کا کورم دو ہوگا اور وہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں بیک وقت کام کر سکے گا۔

(viii) جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے تمام اعلیٰ اسامیوں پر تقرر چار سالہ معاہدہ کی رو سے ہوگا۔ سینٹ کی توثیق کے بغیر ان اسامیوں پر تقرر نہیں ہو سکے گا اور سینٹ کو انھیں برطرف کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

سوال ۲۷۔ فرانس میں ایک جامع نظام موجود ہے جو انتظامیہ قانون کہلاتا ہے۔ اس قانون کے تحت

(ا) نظم و ضبط وغیرہ کے امور میں اپنے ملازمین کے ساتھ تعلقات اور

(ب) اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں ملازمین کے عوام سے تعلقات کو انتظامیہ عدالتوں کے ایک نظام کے ذریعے نظم و ضبط میں رکھا جاتا ہے۔ سب سے بڑی انتظامیہ عدالت کونسل اوف اسٹیٹ کہلاتی ہے۔ یہ کونسل زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے ممتاز افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور مذکورہ بالا امور میں فیصلے کی آخری عدالت کے طور پر فرائض سر انجام دینے کے علاوہ بہت سے اہم شعبوں میں حکومت کے مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتی ہے۔ فرانس میں اس نظام کی کارکردگی کو نہایت تسلی بخش سمجھا جاتا ہے۔ کیا آپ کے خیال میں اس نظام کا نفاذ ترمیم شدہ صورت میں فائدہ بخش ہوگا۔

جواب۔ پاکستان میں فرانس والا سسٹم موزوں ثابت نہیں ہو گا۔ انگلستان میں ۱۹۴۷ء سے ایک قانون نافذ ہے جسے (CROWN PROCEEDINGS ACT) کہتے ہیں۔ اس قانون کی رو سے ہر شہری کو اس کا حق حاصل ہوتا ہے کہ حکومت کے کسی نمائندے کے کسی فیصلہ یا اقدام سے اگر اُسے کسی قسم کا نقصان پہنچا ہو تو وہ اس کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کر سکتا ہے۔ اگر پاکستان میں اسی قسم کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ تو موجودہ سسٹم میں کسی مزید تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

سوال ۲۸۔ سابق آئین میں پبلک سروس کمیشن کے بارے میں جو دفعات موجود ہیں کیا آپ ان کے حق میں ہیں یا کوئی تبدیلی ضروری سمجھتے ہیں؟

جواب۔ طرز حکومت کی مجوزہ تبدیلی کے پیش نظر سابقہ آئین کی متعلقہ دفعات میں ضروری تبدیلیاں کر دی جائیں۔ کمیشن کے چیرمین اور ممبروں کے تقرر کے سلسلہ میں پہلے کہا جا چکا ہے کہ وہ سینٹ کی منظوری سے ہوگا۔

سوال ۲۹: کیا تمام سطحوں پر انتخابات کے انعقاد کا کام پاکستانی انتخابی کمیشن کو سونپا جائے اور کیا اسے انتخاب اور ضمنی انتخاب کی تیاری اور انعقاد کے تمام ضروری اقدامات عمل میں لانے کا ذمہ دار قرار دیا جائے؟

جواب۔ جی ہاں۔ لیکن اس سلسلے میں حسب ذیل امور بھی ضروری ہیں۔

(۱) تمام ملک میں ایک ہی دن الیکشن ہو جانے چاہئیں۔

(۲) چونکہ ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہو گا۔ اس لئے نمائندگان کے انتخاب کے لئے انتخابی فہرستیں مرتب کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ البتہ سینٹ کے انتخاب کے سلسلہ میں ان فہرستوں کی ضرورت ہو گی۔

(۳) اس قسم کا طریق اختیار کیا جائے جس سے بادی النظر میں معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص ووٹ ڈال چکا ہے۔ اس سے الیکشن کی بہت سی خرابیوں کا ازالہ ہو جائے گا (مثلاً ووٹ ڈالنے والے کا ہاتھ کسی ایسے پختہ رنگ سے رنگ دیا جائے جو دو تین دن تک نہ چھوٹ سکے)۔

(۴) حلقہ ہائے انتخاب بہت وسیع ہوں۔ امیدوار جتنے ووٹ حاصل کریں۔ علی الترتیب ان کی فہرست بنائی جائے اور اس حلقے میں جتنی نشستیں ہوں اتنے اوپر کے امیدوار کامیاب تصور کئے جائیں۔ انتخابی حلقے اس طرح بنائے جائیں کہ ہر حلقے میں حتی الامکان شہری اور دیہاتی آبادی مخلوط طور پر شامل ہو۔

(۵) الیکشن کمشنر ایسا انتظام کرے کہ ہر حلقے میں امیدواروں کو اپنے تعارف کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم مل جائیں۔ چونکہ ملک میں پارٹیاں ممنوع ہوں گی اس لئے الیکشن پارٹی کی بنیادوں پر نہیں ہو گا۔

سوال ۳۰: کیا انتخابی کمیشن، انتخابی فہرستوں کی تیاری اور ان پر نظر ثانی کا کام سرانجام دے؟ کیا انتخابی کمیشن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بنیادی جمہوریتوں کے لئے انتخابی فہرستوں کی تیاری کا انتظام کرے۔ اور ان کے تحت انتخابات کی نگرانی کرے۔ یا انتظامیہ کو یہ فرائض سرانجام دینے چاہئیں۔

جواب۔ یہ کام الیکشن کمیشن کو کرنے چاہئیں۔ انتظامیہ کو انتخابات میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔

سوال ۳۱: کیا چیف انتخابی کمشنر اور انتخابی کمشنروں کے تقرر صدر کو اپنی صوابدید کے مطابق کرنے چاہئیں یا ان کی منظوری مقننہ کو دینی چاہیئے۔ یا آپ تقرر کا کوئی اور طریقہ یا انتخابی کمیشن کی آزادی کے تحفظ کے لئے کوئی اور دفعہ تجویز کریں گے۔

جواب۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے چیف انتخابی کمشنر اور انتخابی کمیشن کے ممبروں کا تقرر سینٹ کی توثیق سے ہونا چاہیئے۔

سوال ۳۲: سابق آئین میں حد بندی کمیشن کے متعلق جو دفعات ہیں کیا آپ انہی دفعات کو اختیار کریں گے یا ان میں تبدیلی کریں گے؟

جواب۔ جو کچھ سوالات نمبر ۲۹۔ ۳۱ کے جوابات میں کہا گیا ہے اس کی روشنی میں سابقہ آئین کی دفعات میں مناسب تبدیلیاں کی جائیں۔

سوال ۳۳۔ سابق آئین میں، جنگ یا داخلی انتشار کے دنوں میں عمل میں لائے جانے والے بعض خاص اقدامات کے متعلق دفعات موجود ہیں۔ کیا آپ ان دفعات کو مناسب سمجھتے ہیں یا آپ انھیں تبدیل کر دیں گے۔

جواب ہنگامی حالات میں صدر کے اختیارات کے سلسلہ میں جو کچھ پہلے کہا جا چکا ہے۔ اس کے پیش نظر سابق آئین کی متعلقہ دفعات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (دیکھئے سوال ۸ کا جواب)

سوال ۳۴۔ کیا آپ یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسلام کی بنیادی اقدار کے مطالعہ اور زندگی کے تغیر پذیر حالات پر ان کے اطلاق میں مدد دینے کے لئے نئے آئین میں بعض دفعات شامل ہونی چاہئیں۔ اگر ایسا ہے تو آپ اس سلسلہ میں کون سے خصوصی اقدامات پسند کرتے ہیں؟

جواب۔ قرآنی اقدار کا سمجھنا اور سمجھانا اور اس امر پر غور و فکر کرنا کہ انھیں زمانے کے بدلتے ہوئے حالات پر کس طرح منطبق کیا جائے ہر مسلمان اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام کا بنیادی فریضہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان سب کا باہمی تعاون نہایت ضروری ہے۔ مملکت اس سلسلہ میں بہت کچھ کر سکتی ہے اس کے لئے حسب ذیل تجاویز ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) ہمارے لٹریچر میں (عربی اور فارسی زبان میں) جس قدر نامور کتابیں مذہب سے متعلق ہیں ان کا ترجمہ شائع کیا جائے۔

(۲) ریسرچ کا محکمہ قائم کیا جائے جس میں قرآن کریم کے متعلق اجتماعی طریق سے ریسرچ کی جائے۔

(۳) تمام بڑے بڑے شہروں میں لائبریریاں کھولی جائیں جن میں قدیم اور جدید ترین کتابیں موجود ہوں۔ تاکہ ان کے ذریعے افراد بھی اس سلسلہ میں حتی الامکان کام کرنے کے قابل ہو سکیں۔

(۴) نظام تعلیم میں ایسی ترمیم کی جائے جس سے مذہبی اور دنیاوی تعلیم کی موجودہ ثنویت بتدریج ختم ہو جائے۔

(۵) جو ادارے یا افراد علمی یا قرآنی ریسرچ کا کام کر رہے ہیں حکومت ان کے کام کا جائزہ لے اور جنھیں اسلامی آئیڈیالوجی کے نقطۂ نگاہ سے مفید پائے ان کی معاونت کرے۔

سوال ۳۵۔ سابق آئین میں یوم آئین سے دس سال تک قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کے لئے نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔ کیا آپ اس قسم کی تخصیص کو ضروری سمجھتے ہیں؟

جواب۔ ضرورت نہیں۔ قرآن جس قسم کے معاشرہ کا تصور پیش کرتا ہے اس میں جنسی تفریق کی بنا پر کوئی ردِ عمل واقع نہیں ہوتا۔ انھیں یکساں مواقع میسر ہونے چاہئیں۔

سوال ۳۶۔ آپ اچھوتوں اور پسماندہ جماعتوں کے لئے کونسی خصوصی دفعات تجویز کریں گے؟

جواب۔ ضرورت نہیں۔

سوال ۳۷۔ سابق آئین میں "خارج کردہ" اور "خاص علاقوں" کے لئے خاص دفعات تھیں۔ کیا آپ ان میں کوئی تبدیلی چاہتے ہیں؟

جواب۔ ان دفعات کی ضرورت نہیں۔ انتظامیہ خود سوچ سکتا ہے کہ کسی علاقے کی پسماندگی رفع کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟

سوال ۳۸۔ آپ آئین میں ترمیم کے لئے کونسی شکل تجویز کریں گے؟ کیا آپ سادہ اکثریتی ووٹ کے ذریعہ یا اس سے بڑے مثلاً دو تہائی یا تین چوتھائی اکثریتی ووٹ کے ذریعے ترمیم پسند کریں گے۔

جواب۔ ہر دو ایوانات کے مشترک اجلاس میں ⅔ کی اکثریت سے آئین میں تبدیلی کی جاسکے۔ لیکن جو کچھ مجوزہ "باب اول" (سوال ۲۔ الف) میں کہا گیا ہے اس میں تبدیلی کرنے کا حق کسی کو نہیں ہوگا۔

سوال ۳۹۔ آپ اور کونسی تجاویز پیش کرنا چاہتے ہیں جن کی رُو سے ایسی جمہوریت (مستحکم طور پر) قائم ہوسکے جو اسلام کے عدل، مساوات اور رواداری کے اصولوں پر مبنی ہو۔ اور جس میں بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ رہنے کی صلاحیت ہو۔

جواب۔ سب سے پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جمہوریت، عدل، مساوات اور رواداری کی اصطلاحات سے مفہوم کیا ہے اور جب ہم عدل، مساوات اور رواداری کے "اسلامی اصول" کا ذکر کرتے ہیں، تو اس سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے۔ یعنی ان اصولوں کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے میں کیا فرق ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آئے گی کہ پاکستان میں صحیح اسلامی جمہوریت کے قیام کی صورت کیا ہوسکتی ہے۔

ذیل میں اس امر کی وضاحت کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۱) **جمہوریت**۔ یہ ہمارے دور کی اہم سیاسی اصطلاح ہے۔ جس سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کو حاصل ہے۔ عوام کے نمائندے باہمی مشورے سے مملکت کے قوانین اور حکومت کے ضوابط مرتب کرتے ہیں اور ان کی اکثریت کا فیصلہ ہر معاملہ میں حرفِ آخر ہوتا ہے۔ ان پر کسی اور کا اقتدار نہیں ہوتا۔ یہ جمہوریت کا سیکولر تصور ہے۔

اس کے برعکس "اسلامی جمہوریت" یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے غیر متبدل اصول اور مستقل اقدار مقرر کردی ہیں جن میں ردوبدل کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ افرادِ مملکت ان اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے باہمی مشورے سے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین مرتب کرسکتے ہیں۔ یہ اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے اور ان کے دائرے کے اندر مرتب کردہ جزئی قوانین میں عندالضرورت تغیر و تبدل ہوسکے گا اس اعتبار سے مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ

قرآن کے غیر متبدل اصولوں کو حاصل ہوتا ہے، نہ کہ عوام کو، یا کسی فرد کو۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ ہیں۔

> اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ حیاتِ کلی کی روحانی اساس ازلی اور ابدی ہے۔ لیکن اس کی نمود تغیر و تنوع کے پیکروں میں ہوتی ہے۔ جو معاشرہ حقیقتِ مطلق کے متعلق اس قسم کے تصور پر متشکل ہو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں مستقل اور تغیر پذیر عناصر میں تطابق و توافق پیدا کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کے نظم و ضبط کے لئے مستقل اور ابدی اصول ہوں۔ اس لئے کہ اس دنیا میں جہاں تغیر کا دور دورہ ہے۔ ابدی اصول ہی وہ محکم سہارا بن سکتے ہیں جن پر انسان اپنے پاؤں جما سکے۔ لیکن اگر ابدی اصولوں کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے دائرے میں تغیر کا امکان ہی نہیں تو اس سے زندگی جو اپنی فطرت میں متحرک واقع ہوئی ہے یکسر جامد اور متصلب بن کر رہ جائے گی۔ یورپ کو عمرانی و سیاسی دوائر میں جو ناکامی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی ابدی اور غیر متبدل اصولِ حیات نہیں ہیں۔ اس کے برعکس گذشتہ پانچسو سال سے اسلام جس قدر جامد اور متحرک بن کر رہ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے مستقل اقدار کے دائرے میں اصولِ تغیر کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ (خطباتِ تشکیلِ جدید۔ خطبہ ۶)

لہٰذا اگر ہم نے جمہوریت کو قرآن کے غیر متبدل اصولوں کا پابند نہ کیا تو جو حشر مغربی اقوام کا ہے وہی ہمارا ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اور اگر ہم نے ان اصولوں کے اندر اصولِ تغیر کو نظر انداز کر دیا تو ہم زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے کے قابل نہیں ہو سکیں گے۔ یہ ہے جمہوریت کی وہ شکل جسے اسلامی کہا جائے گا۔ چونکہ اس قسم کی جمہوریت قائم کرنا ملت کا مشترکہ فریضہ ہے اس لئے اس میں نہ ملوکیت بار پا سکتی ہے نہ ڈکٹیٹرشپ۔

(۷) **عدل**۔ عام طور پر عدل سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ متنازعہ فیہ معاملات کے فیصلے رائج الوقت قانون کے مطابق کئے جائیں۔ بلا لحاظ اس امر کے کہ خود وہ قانون بھی عدلِ انسانی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔ عدل کا اسلامی تصور اس سے وسیع تر ہے۔ اس کی رُو سے عدل سے مفہوم یہ ہے کہ

(۱) تمام انسانوں کو پیدائش کے اعتبار سے یکساں واجب التکریم سمجھا جائے۔

(۲) ہر ایک کی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے یکساں ذرائع اور مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

(۳) معاشرہ میں ہر ایک کی پوزیشن ذاتی صلاحیتوں اور حسنِ کردار کی رُو سے متعین کی جائے۔

(۴) ہر ایک کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام دیا جائے۔

(۵) ہر ایک پر قانون کا اطلاق یکساں ہو۔ اور

(۶) کوئی ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے جو قرآنی اصولوں سے ٹکرائے۔

اسلامی جمہوریت عدل کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔

جہاں تک عدالتی عدل کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ عدالتوں کو (بالخصوص عدالت عالیہ) کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے بلند رکھا جانا چاہیئے۔ ان پر خدا کی عاید کردہ حدود کے علاوہ اور کوئی حدود و قیود نہیں ہونی چاہئیں۔

(۱۱) **مساوات** کا عام تصور بڑا مبہم اور غیر واضح ہے اور یہی وجہ ہے کہ عملی سیاسیات میں یہ لفظ شرمندۂ معنی نہیں ہوتا اس سے زیادہ سے زیادہ، یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ قانون کی نگاہ میں سب یکساں ہیں۔ مساوات کے اسلامی تصور میں وہ تمام شقیں آجاتی ہیں جن کا ذکر عدل کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔ اس حقیقت کو اور سمٹایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مساوات سے مراد یہ ہے کہ

> کوئی شخص نہ کسی دوسرے کا محکوم ہو، نہ محتاج۔ اور ہر شخص کو اسکے اعمال کا صحیح صحیح نتیجہ ملتا جائے۔

(۱۲) **رواداری**۔ مساوات کی طرح، رواداری کا عام مفہوم بھی بڑا مبہم ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہر شخص کو مذہبی عقائد اور پرستش کی آزادی حاصل ہو۔ اور اختلافِ عقائد کو برداشت کیا جائے اسلام کی رُو سے رواداری کا تصور اس تصور سے وسیع تر ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بعض حیثیتوں سے اجنبی کا نہ بھی جہاں تک اس تصور کی وسعت کا تعلق ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ

(۱) ہر شخص کو مذہب چھوڑنے یا اختیار کرنے کی پوری پوری آزادی ہوگی۔

(ب) کسی شخص کے معبودوں کو برا نہیں کہا جائے گا۔

(ج) تمام اہل مذاہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کی جائے گی۔

(د) کسی کو اختلافِ مذہب کی بنا پر انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(س) دشمن سے بھی عدل کیا جائے گا۔

لیکن قرآن محض سستی جذباتیت سے کام نہیں لیتا۔ وہ حقائق کا سامنا کرتا ہے۔ اور رواداری کے اس وسیع مفہوم کے ساتھ، کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ جہاں تک قرآنی اصولوں کا تعلق ہے ان میں نہ کسی قسم کی نرمی برتی جا سکتی ہے۔ نہ کسی سے رعایت کی جا سکتی ہے اور نہ مداہنت یا مفاہمت (COMPROMISE) سے کام لیا جا سکتا ہے۔ سطحی رواداری اور قرآن کے صحیح تصور رواداری پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے (پنڈت نہرو کے اعتراض کے جواب میں) کہا تھا کہ جو لوگ ہر معاملہ میں رواداری رواداری پکارتے پھرتے ہیں وہ رواداری کے صحیح مفہوم کو سمجھتے ہی نہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے پہلے گبن (GIBBON) کے ان الفاظ کو نقل کیا، جن میں وہ کہتا ہے کہ

> ایک رواداری فلاسفر کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر سچے ہیں۔ ایک رواداری

مورخ کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر جھوٹے ہیں۔ ایک رواداری سیاستداں کی ہے جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر مفید ہیں۔ ایک رواداری اس شخص کی ہے جو ہر قسم کے عقائد و مسالک کو اس لئے برداشت کرتا ہے کہ خود اس کا کوئی عقیدہ اور مسلک نہیں ہوتا۔ ایک رواداری کمزور انسان کی ہے جو ان تمام عقائد اور شخصیتوں کے خلاف جنہیں وہ بہت عزیز رکھتا ہے، چپکے سے ہر قسم کی توہین برداشت کر لیتا ہے۔

اس کے بعد علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی رواداری بھی اخلاقی قدر نہیں رکھتی۔ اس کے برعکس، اس قسم کی رواداری اس حقیقت کی غماز ہوتی ہے کہ یہ شخص اخلاقی اور روحانی طور پر بے حد کمزور ہے۔ حقیقی رواداری ذہنی وسعت اور روحانی پہنائیوں کی پیداوار ہوتی ہے۔ یہ رواداری اس انسان کی ہوتی ہے جو روحانی طور پر بڑا طاقتور ہوتا ہے۔ وہ اپنے ایمان (دین) کی سرحدوں کی حفاظت میں بڑا غیور واقع ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی دیگر مذاہب میں جہاں جہاں کوئی خوبی نظر آئے، اس کی داد دیتا ہے۔ اس قسم کی رواداری صرف ایک مسلمان کے سینے میں پیدا ہو سکتی ہے۔

(SPEECHES AND STATEMENTS OF IQBAL P—115)

اسلام کی یہی وہ اصول پرستی ہے جس کی بنا پر علامہ اقبالؒ نے مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے نظریۂ متحدہ قومیت کے جواب میں کہا تھا کہ

اسلام، ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب تحریکِ پاکستان کے دوران، مولانا حسین احمد مرحوم نے کہا تھا کہ "قوم وطن کے اشتراک سے بنتی ہے۔" یعنی ایک ملک میں بسنے والے مسلم و غیر مسلم ایک قوم کے فرد ہوتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس تصور کو قرآن کی تعلیم کے خلاف، اور غایتِ نبوتِ محمدیہ کے منافی قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ رواداری کے یہ معنی نہیں کہ ہم قرآن کے اصولوں میں کسی غیر قرآنی اصول یا نظریہ کے ساتھ مفاہمت (COMPROMISE) کر لیں۔ لہٰذا آئین سازی کے سلسلہ میں اس اصول کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے اور غیر مسلموں کو مملکت میں صرف اتنی پوزیشن دینی چاہیئے جتنی قرآن دیتا ہے۔ اگر وہ اس پوزیشن پر مطمئن نہ ہوں تو وہ کسی اپنی مملکت کی طرف نقل مکانی کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں، مملکت پاکستان انہیں ان کے مامن تک بحفاظت پہنچانے کی ذمہ دار ہوگی۔

یہ بھی واضح رہے کہ اسلام کے اصول، عدل مساوات اور رواداری تک محدود نہیں۔ اس فہرست میں اور بھی بہت سے اصول شامل ہیں۔ اسلامی مملکت کی بنیاد ان تمام اصولوں پر رکھی جائے گی جو قرآن میں دیئے گئے ہیں۔ یہ نہیں ہوگا کہ ان میں سے بعض کو لے لیا جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے۔ قرآن اس کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ۲/۸۵)۔ البتہ (جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے) یہ ہو سکتا ہے کہ ان اصولوں کو بطور نصب العین سامنے رکھا جائے اور اپنے حالات کے مطابق بتدریج ان تک پہنچا جائے۔ آئین میں اس امر کی صراحت ہونی چاہیئے کہ یہ ہمارا نصب العین ہے اور اس تک یوں بتدریج پہنچا جائے گا۔ قرآن کے اصول ہر حال میں غیر متبدل رہیں گے اور ان کے اندر رہتے ہوئے جزئیات زمانے کے تقاضے کے ساتھ بدلتی جائیں گی۔

سوال ۱۸ کیا آپ کوئی اور ایسی تجاویز پیش کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق کمیشن کے دائرہ کار سے ہو۔

جواب۔ سابقہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ان امور تک محدود ہے جن کے متعلق کمیشن نے استفسار کیا ہے۔ ہم نے اپنے جوابات مکمل آئین مرتب کر کے نہیں دیئے۔ اگر کمیشن چاہتا تو ایسا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں البتہ ایک بات ایسی ہے جس کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔

عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ وہ کونسی بنیادی خصوصیت ہے جو اسلامی آئین کو دیگر مملکتوں کے آئین اور نظام سے ممتاز کرتی ہے؟ یہ سوال واقعی اہم اور غور طلب ہے۔

قرآن کریم زندگی کے جو اصول دیتا ہے وہ بے مثل و بے نظیر ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان اپنے ناکام تجارب کے بعد رفتہ رفتہ زندگی کے ان اصولوں کی طرف آ رہا ہے۔ اور بعض ممالک نے ان میں سے بعض اصول اپنے ہاں رائج بھی کر لئے ہیں۔ لیکن قرآنی نظام کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے پورے پورے نتائج اسی صورت میں مرتب کرتا ہے جب اسے کلیتہً اختیار کیا جائے۔ اس کے بعض اصولوں کو کسی دوسرے نظام کے ساتھ پیوست کرنے سے وہ نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ (مثلاً) اس وقت دنیا میں دو قسم کے نظام کارفرما ہیں۔ ایک ہمہ گیر مملکت (TOTALITARIAN STATE) کا حامی ہے اور روس اور چین اس کی تجربہ گاہ۔ اس نظام میں مملکت اس کا دعویٰ کرتی ہے کہ وہ افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔ اس لئے وہ ذرائع پیداوار کو اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ یہ مملکت افراد کو روٹی کپڑا تو دیتی ہے لیکن ان کی آزادی اس بری طرح سے سلب کر لیتی ہے کہ ان کی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ انسانوں کی بجائے مشینیں بن کر رہ جاتے ہیں۔ دوسری طرف مغربی جمہوریتوں کا نظام ہے۔ یہ نظام فرد کی آزادی کا دعویدار ہے اور "عدم مداخلت" کی پالیسی پر کاربند۔ اس "عدم مداخلت" کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض افراد کے پاس دولت بے حد و نہایت جمع ہو جاتی ہے۔ اور عوام اپنی روٹی تک کے لئے ان کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ یعنی کمیونزم کے نظام میں افراد کی آزادی کو مملکت سلب کرتی ہے اور مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں ان کی آزادی کو وہ افراد چھین لیتے ہیں جن کے ہاتھ میں ذرائع پیداوار ہوتے ہیں۔

انسانیت نہ اُس نظام میں نشوونما پاتی ہے نہ اس میں۔

جب ہم کہیں مملکت (کمیونزم کے نظام ہے) کہا جائے کہ فرد کی آزادی کا بھی خیال رکھنا چاہیئے تو وہ کہتے ہیں کہ افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کو مملکت پورا کر دے تو افراد کام نہیں کرتے۔ ان سے کام لینے کے لئے ان کی آزادی کو مملکت کے پروگرام کے تابع رکھنا ضروری ہے۔

جب مغربی جمہوریتوں سے کہا جائے کہ افراد کی زراندوزی اور جائداد سازی پر کچھ پابندی عائد کرنی چاہیئے تاکہ انسانیت طبقاتی تفریق کی نذر نہ ہو جائے تو وہ کہتے ہیں کہ اگر ذاتی جائدادوں پر پابندی عائد کر دی جائے تو انسان کے لئے کام کرنے کا جذبۂ محرکہ (INCENTIVE) نہیں رہتا۔

یہ ہیں وہ دو نظام ہائے زندگی جن میں اس وقت دنیا بٹی ہوئی ہے۔ ان کے برعکس، قرآنی نظامِ زندگی اور تصورِ حیات ہے۔ اس کی رُو سے

(۱) انسان کے متعلق بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان صرف اس کے جسم سے عبارت نہیں۔ جسم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے انسانی ذات کہتے ہیں۔ زندگی کا مقصد انسانی ذات کی نشوونما ہے جس کے لئے جسم کی پرورش بھی ضروری ہے۔

(۲) مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ انسانی جسم اور اس کی ذات کی نشوونما کے سامان بہم پہنچائے۔

(۳) جسم کی پرورش کے لئے بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچنا ناگزیر ہے اور ذات کی نشوونما کے لئے آزادی لاینفک۔

(۴) افراد کے جسم کی پرورش کے لئے مملکت ذرائع پیداوار اپنی تحویل میں رکھتی ہے لیکن چونکہ اس کا فریضہ فرد کی ذات کی نشوونما بھی ہے۔ اس لئے وہ اس کی آزادی کے راستے میں بھی حائل نہیں ہوتی۔

(۵) آزادی کے معنی یہ ہیں کہ انسان پر ان پابندیوں کے علاوہ جو اس پر خدا نے (قرآن کریم میں) عاید کی ہیں اور کوئی پابندی عاید نہ کی جائے۔ اس مقصد کے لئے اسلامی مملکت اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اس کا تمام کاروبار قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر سرانجام پائے گا۔

(۶) دوسری طرف فرد کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ جس طرح اس کے جسم کی پرورش ان چیزوں سے ہوتی ہے جنہیں وہ خود کھاتا یا استعمال کرتا ہے، اس کی ذات کی نشوونما اس سے ہوتی ہے جسے وہ دوسروں کی نشوونما کے لئے دیتا ہے۔ لہذا وہ پوری پوری محنت سے کام کرتا ہے اور اپنی ضروریات سے زائد جو کچھ ہوتا ہے اسے دوسروں کی نشوونما کے لئے عام کر دیتا ہے یہی ہے وہ جذبۂ محرکہ جس کے ماتحت افراد، ذاتی جائیدادیں بنانے کی ہوس سے بلند ہو کر زیادہ سے زیادہ محنت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

(۷) اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات کی روشنی میں یہ دیکھے کہ یہ دونوں مقاصد (یعنی افراد کی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا اور ان کی آزادی کو برقرار رکھنا) جنہیں کوئی اور نظام یکجا نہیں کر سکا، کس طرح حاصل ہو سکتے اور وہ فضا کیسے پیدا کی جا سکتی ہے جس میں افراد کے اندر کام کرنے کی وہ امنگ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے زیادہ سے زیادہ ابھرتی چلی جائے۔

مملکتِ پاکستان اسی مقصد کے حصول کے لئے وجود میں آئی ہے اس لئے اس کے آئین کو اسی تصورِ حیات اور نظامِ زندگی کا آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس مقام پر ہم اس وقت کھڑے ہیں وہاں سے مذکورہ بالا منزل تک پہنچنے میں وقت لگے گا، لیکن ہمارے آئین میں اس کی صراحت ہونی چاہیئے کہ وہ ہماری منزلِ مقصود ہے اور اس تک یوں بتدریج پہنچا جائے گا۔ ہمارے جوابات اس منزل تک بتدریج پہنچنے کی ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آئین کمیشن اور حکومت پاکستان کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ پاکستان کا آئین قرآن کریم کی بنیادوں پر مرتب اور نافذ کر سکیں تاکہ دنیا میں ایک بار پھر "عروجِ آدم" کا دور درخشاں آئی کائنات بن جائے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

سنٹرل پبلسٹی کمیٹی

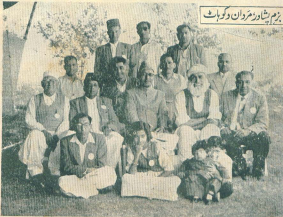

بزمِ پشاور، مردان و کوہاٹ

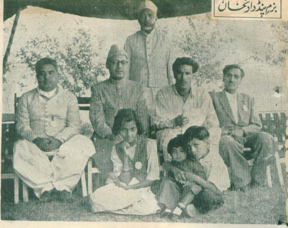

بزمِ پنڈ دادنخان

بزمِ لائلپور